

تبلیغ اسلام

RDFBOOKSFREE.PK

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ
امام اہلسنت

زود در سے نصرة العلوم
مکتبہ کفر کو جزا نوالہ

مکتبہ صفدریہ

ناشر

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ
تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آلۃ) ”قرآن کریم“

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (البیث)

حق نے کروڑالی ہیں دوہری خدمتیں تیرے پیر و
خود تڑپتا ہی نہیں اعدوں کو تڑپانا بھی ہے!

تبلیغ اسلام

جس میں قرآن کریم اور حدیث شریف کے روشن حوالوں سے علم و المعرفہ اور نبی علیہ السلام کی اہمیت، اہمیت، اہمیت، اسلام، طریقہ تبلیغ، اللہ عزوجل کی حق گوئی، جماعتی زندگی کا مفہوم، مبلغین کا رتبہ، مہتمم باری تعالیٰ کا عقل و عقلی ثبوت، ایمان، مفصل کی ضروری تشریح و غرض رسالت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اور شان اور کتب سابقہ سے آپ کے حق میں بشارت، اعدا آپ کے پہلے دنیا کی حالت اور اس سلسلہ کے کئی دیگر اہم مسائل و احکام نہایت سلیس ہوئے رنگ میں پیش کئے گئے ہیں یہ کتاب خالص تبلیغی اور اصلاحی جذبہ سے لکھی گئی ہے۔

وَاللّٰهُ يَتَوَلّٰى الْخٰیضَ وَهُوَ يَغْضِبُ السَّیِّئِیْنَ ط

احقر

ابوالزہام محمد سرفراز خلیفہ جامعہ گلشہر

انتساب

راقم اشیم اپنی اس کتاب کو جمعیتہ علماء اسلام کے ان اکابر کے نام پر منسوب کرتا ہے جن کے امیر اس وقت حضرت مولانا حافظ الحدیث محمد عبداللہ صاحب در خواستی دامت برکاتہم ہیں۔ یہ وہ گروہ ہے جس کے عقائد و اعمال عین اسلام کے مطابق ہیں۔ اور اپنی دانست کے مطابق یہی وہ طاائفہ ہے۔

جو

قرآن و سنت کا داعی، فقہ و تصوف کا مبلغ اور علوم اسلامیہ کا علمبردار ہے اور علماء و علما، تدریسا و تالیفا، تقریراً و تحریراً ہر لحاظ سے حق کی صد کو بلند کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے اور دینی تفوق کے علاوہ بفضلہ تعالیٰ سیاسی شعور بھی علی وجہ الایم رکھتا ہے اور بقدر وسعت تبلیغ دین کا فریضہ ادا کر رہا ہے اللہ تعالیٰ اور ترقی عطا فرمائے کیونکہ

توڑا میں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں

ابوالزاهد

﴿جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	تبلیغ اسلام
مصنف	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر
طبع ششم	جنوری ۲۰۰۵ء
تعداد	گیارہ سو (۱۱۰۰)
قیمت	۳۰ روپے
مطبع	مکی مدنی پرنٹرز لاہور
ناشر	مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

﴿مکتبہ کے پتے﴾

- ☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- ☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی نمبر ۱۶
- ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
- ☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
- ☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی
- ☆ اسلامی کتب خانہ ایٹ آباد
- ☆ مکتبہ صدیقیہ حضروانک
- ☆ مکتبہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۴۹	جہاں احسن	۱۵	۴	پیش لفظ
۵۲	فریق مخالفت کے معبودوں کو	۱۶	۱۲	خیر الائم
۵۴	سب دشمن نہ کرنا چاہیے	۱۶	۱۳	صداقت اسلام
۵۴	نہی کرو سختی نہ کرو	۱۶	۱۴	غیر مسلموں کا اقرار
۵۶	آخری مرحلہ بائبل کاٹ	۱۸	۲۴	مبلغ کا رتبہ
۶۲	انجیل انکار	۱۹	۲۶	غفلت و کاہلی
۶۵	ایمان کے بغیر کوئی عمل	۲۰	۲۶	خود فہمی
۶۸	قبول نہیں ہوتا	۲۹	۲۹	اس امت کی حق گوئی
۶۸	ایمان باللہ	۲۱	۳۲	یہ امت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہوگی
۷۰	نہی باری تعالیٰ کا	۲۲	۳۳	جہاد فی زندگی کا مفہوم اور اس کی اہمیت
۷۰	عظمت نبوت	۲۶	۳۶	امت مسلمہ کی کامیابی کا راز
۷۴	نقلی نبوت	۲۳	۴۳	طریق تبلیغ
۷۹	رب قذیر کا انکار کیونکر؟	۲۴	۴۶	الحکمت
۸۱	رہنما حق کی تلاش ایک فطری امر ہے	۲۵	۴۸	الموعظۃ المحنتہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ وَأَرْسَلَ رَسُولَهُ مُبَشِّرًا
مُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا وَجَعَلَ لَهُ هَذِهِ الْأَنْبَاءَ خُصُوصًا سَيِّدَ الرُّسُلِ
وَحَاتَمَ الْأَنْبِيَاءِ فَصَلُّوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَسَلِّمُوا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلَى مَنْ
يَتَّبِعُهُمُ بِالْإِحْسَانِ الَّذِينَ هُمْ شُهَدَاؤُ اللَّهِ عَلَى النَّاسِ وَالَّذِينَ
يَذَلُّوا الْوَسْوَاعَ فِي رِاقَةِ الدِّينِ اللَّهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُتَّبِعِيهِمُ الْآمِينَ يَا
أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ○

پیش لفظ

اسلام ایک ابرکرم تھا جو عرب کی ایک وادی غیر ذی زرع سے اُٹلا اور
شمال و جنوب میں مومنین مارتا مشرق و مغرب کے دُور اُفتادہ علاقوں پر فیض و عطا
کی بارش برساتا، تہذیب و تمدن کے جواہر لٹاتا اور علم و حکمت کے خوشنما پھول
بکھلاتا چلا گیا۔ تمام قوموں کی قدیم تہذیب چند سال میں بدل گئی۔ دنیا کی تاریخ
کا نقشہ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ ایک طرف افریقہ کے صحراؤں میں اور دوسری طرف

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۳	رحمتِ خداوندی	۳۸	عبداللہ کا مقبرہ ہر صبح الشراج
۱۱۴	تلاوتِ کتابِ اللہ	۳۹	نفس کو یاد ہے۔
۱۱۹	تذکرہ نفوس	۴۰	ایمان بالملائکتہ
۱۲۰	تعلیمِ کتاب	۴۱	ایمان بالکُتُب
۱۲۲	اللہ کی کیا راہ ہے؟	۴۲	آخری کتاب
۱۲۵	ضلالِ مبین	۴۳	ایمان بالرسول
۱۲۶	متحدہ اقوام	۴۴	نبوت و رسالت کا سلسلہ بتائے
۱۲۷	ایران کے جوہی	۴۵	آفرینش سے جاری ہے
۱۲۹	یہود	۴۶	غرض رسالت
۱۳۰	عیسائی	۴۷	نبی آخر الزمان علیہ السلام کی بعثت
۱۳۱	اہل ہند	۴۸	احسانِ عظیم
۱۳۲	اہل عرب	۴۹	بشارتِ احمدی
۱۳۳	تفسیر پر ایمان	۵۰	صحابہ نورانی کی بشارت
۱۳۴	آخرت پر ایمان	۵۱	انجیل کی شہادت

اور محافظہ آئین ختم نبوت رہا۔ پھر آج تو دنیا کی نگاہ میں کیوں اتنا حقیر ہے؟ دنیا میں تیری ساکھ اور قدر و قیمت کیوں نہیں رہی؟ دنیا تیرے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو کیوں بالائے طاق رکھ رہی ہے؟ اگر تو بڑا نہ مانے تو اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے!

اے مسلم! جب سے تو اقامت دین میں سستی اور حفاظت اسلام میں کاہلی کرنے لگا اور جب سے تو نے توحید و مسنّت سے اعراض و بے اعتنائی کی اور جب سے تو شب و روز عیش و راحت پسندی میں گزارنے لگا اور جب سے تیرے روشن دل سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پابندی اور رعایت نیست و نابود ہونے لگی اور جب سے بارخِ عدل و انصاف میں تیرے ظلم و عصبیان کی یاد و سرمد اندھی چلنے لگی تو ٹھیک اسی وقت سے تیری عزت و اکبر و ادوار و جلال کے سبزہ زاروں پر تیری غفلت اور بے پروائی کی وجہ سے قبر خداوندی کی ژالہ باری اور ربوبت باری ہونے لگی اور اطاعتِ رسول کے خوشنما چمن میں نیمِ عمری کی بجائے بادِ فتنہ چلنے لگی اور اُسی وقت سے تو خدا شناسی اور قوتِ اخلاق کے صحیح جذبے سے عاری ہو گیا، اور تیری رہی سہی ساکھ خاک میں ملنے لگی۔ تیرا آئینہ کی طرح صاف و شفاف دل اندھیری رات کی طرح تیرے تاریک ہو گیا۔ آہ تو کون تھا اور کیا ہو گیا! ع

کیسے بیابانِ کرب و بے حکایت دراز ہے

اے پیغمبرِ مسلم! تیری روح کیوں مُردہ ہو چکی ہے؟ اور کیوں تیری روحانیت اور اسلامی قدریں نابود ہو چکی ہیں؟ تیرے عہدہ اخلاق کے تو دنیا میں چرچے تھے جو صفحاتِ تاریخ میں زمیںِ حروف میں کسے ہوئے آج بھی چمک رہے ہیں۔ تو ہی بتا کہ

چین کے میدانوں میں توحید و مسنّت کے نعرے گونج اُٹھے۔ روم کے عظیم الشان گرجوں جرمنی کے فلک بوس عبادت خانوں اور انگلستان کے عالی مرتبت کلیساؤں میں اللہ اکبر کے مخلصانہ نعروں نے پادریوں کو لرزادیا۔ ہنگری اور بوسینا کے شہروں اور آبادیوں میں اذانِ اسلامی کے خوشگوار اور دلچسپ لہجوں نے خرابِ غفلت میں مہموش لوگوں کے کانوں کو سرسبز کیا۔ اسلام کی مہبت اور محمدی بجلی کی کرنک نے یورپ کے سنگدل بادشاہوں کے کلیجہ کو کپکپا دیا اور فدا یانِ اسلام نے یورپ کی بیشتر حصہ میں اسلامی جھنڈے اور ہلالی پھر پیرے اڑاتے ہوئے دُؤل یورپ کے منکبزن گردنیں خم کر دیں اور یورپ کے سفید بھیلڑیوں سے الٹیا کی بھولی بھالی بھیلڑوں اور بکریوں کی حفاظت کرتے ہوئے یورپ کی وحشی اور خونخواروں کی تلواروں اور نیزوں سے اپنی چھاتی کو چھلنی کرایا۔ کفر و شرک ظلم و جور اور خواہشاتِ نفسانی سے اُٹی اور بھری ہوئی بخیل زمین کو اسلام کی عمدہ اور پاکیزہ تعلیم اور عالی اخلاق کی بدولت سرسبز و شاداب کیا۔ حتیٰ کہ اسلام کی شرابِ طور پینے والوں نے اپنا سرساقی حجاز کے قدموں پر رکھ دیا۔

اے پیغمبرِ مسلم! تو نے خدا دادِ قوت اور شوکت سے اسلامی اقدار اور محاسن کو مشرق سے غرب تک پھیلایا تھا، تقویتِ اسلام اور مجددِ دینی خلافت میں بے حد دلچسپی لی تھی، تو نے حمایتِ اسلام میں فقط اپنی جان ہی نہیں بلکہ اہل و عیال اور عزت و مال کی بے پناہ قربانیاں پیش کر کے شجرِ اسلام کو سینچا اور ثمر آور بنایا تھا قرآن و مسنّت اور اخلاقِ حسنہ کی پاسبانی کی تھی تو توحید و مسنّت اور مکارم و روحانیت کا پر زور مبلغ اور حامی تھا اور تو شرک و بدعت اور قباہ و زری مادیت کا قاص

تیری مہفون عزت و شہرت اور دینی حیثیت کو کون زندہ کرے گا؟ اور تیرے اعلیٰ ترین اخلاق کی چمک دار اور قاطع تلوار جس کی ایک ہی ضرب سے عصیان و تعدی بدی و بدکاری کا مغرور سر قلم ہو جاتا تھا، آج کیوں نیام میں بند ہو کر رہ گئی ہے؟ بے حریت و استقلال کے جھٹکے! تو کیوں غیروں کی ذہنی غلامی کا شکار ہو کر رہ گیا ہے؟ اور کیوں اہل مغرب کی بے جا تقلید کے یلین گڑھے میں گر چکا ہے؟ اور کیوں ان کے مکرو خدایع کے دام ہمنگ زین میں الجھ کر رہ گیا ہے؟ تو ہی تائیکے عزت و اکبر کی اعلیٰ و ارفع سطح اور بام عروج پر کون لا کھڑا کرے گا؟ بے بہادر مسلم! تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہوا تو ملامت خیز طوفانی موجوں کا مردانہ وار مقابلہ کر اور مادہ پرستوں سے یوں کہہ کہہ

نہیں ڈر کچھ حوادث کا دل جرات بدلاں کو
یہ ساحل جذب کر لیتا ہے ہر اک سچ مطلق کو

لے خواب غفلت میں محو رہا! تجھے معلوم نہیں کہ دنیا دار العمل، دار الامتحان اور مزرعہ ^{الاعرف} ہے اور تجھے خبر نہیں کہ یہ عالم سراپا سراپ، بے ثبات اور بے قسار ہے اور تجھے یقین نہیں کہ اگر خلود و ابدیت حاصل ہے تو عقیق و آخرت کو، اور اگر بقا و پائداری ہے تو محض اس جہان کی سرمدی زندگی کو۔ تو اپنی عارضی اور فانی زندگی کو سنوارنے کے لیے سوچتے کرنا ہے اور اس بے وفا دنیا کی ترقی کے لیے تو سیکڑوں اعمال و اشغال اختیار کرتا ہے اور دن رات تیری تمام تر عملی قوتیں اور جمیع سرگرمیاں اسی مرکز کے گرد پھرتی رہتی ہیں۔ مگر مذہب اسلام، عقل و بصیرت اور فہم و دانش کا تقاضا اور فطرت صحیحہ کا (بشرطیکہ وہ مردہ نہ ہو مچھی جو) مطالبہ یہ ہے کہ تو حیات ابدی اور حقیقی زندگی کے حاصل کرنے کے

یہ طبع کو کشش اور ہر ممکن سعی سے کام لے اور عقیق کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے میں کوئی کسر فرما نہ گزاشت نہ کر اور صرف اسلام کو اپنا اور صانع کچھونا بنا لے دین کی سچی پیروی اور اطاعت کرنا کہ مرنے کے بعد غیر متناہی زمانہ میں تو امن و اطمینان اور نشاط و انبساط کے ساتھ ہے اور ابدی زندگی میں ہمیشہ کے لیے توبہ حزن و ملال اور بے خوف و خطر ہے۔ اور رضائے الہی حاصل کر کے اپنی عاقبت کو محمود و مستحسن بنا تاکہ وقت و قات تیری یہ کیفیت ہو کہ تیرے مال اور باپ اعزہ و اقارب تیری جہلی اور فراق کے صدمہ سے رو بچے ہوں اور تو اپنے محبوب حقیقی کے تقار اور رحمت کی خوشیوں اور رحمت غلوئی کی بشارت کو سن کر اور پچھم خود اس کا نقشہ دیکھ کر مسکرا رہا ہو جیسا کہ تیری ولادت کے وقت تیرے تمام اقارب و خدایاں اور خدائاں تجھے اور تیرے زور و طاقت کا کسی عارف کا ملنے اس کی کیا ہی اچھی تصویر پیش کی ہے کہ

یاد داری کہ وقت زادوں تو
ہمہ خنداں ہندو تو گریاں
اں چناں ذی کہ وقت مزلن تو
ہمہ گریاں شہود تو خنداں

تیری خوش بختی صرف اسی میں ہے کہ تو اپنی مستعار زندگی کو رضائے الہی اور اتباع منت کے لیے وقف کرے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں خوابیدہ فطرت کو بیدار کرے اور اپنی قبر اور آخرت کی فکر کرے۔

گنجل مایہ دولت ہے، اس لیے کارِ نبوت کا گراں بوجھ اُمتِ مرحومہ کے ایک ایک فرد کے کندھے پر ڈال دیا گیا ہے کہ اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہم فریضہ یہ اُمتِ مرحومہ ادا کرے گی اور اس وجہ سے یہ تمام اُمتوں پر فوقیت ہے جانیگی اور اسی سبب یہ خیر الامم اور بھلی اُمت قرار پائے گی، گویا خود ہی نیکی نہیں کرے گی بلکہ جھٹکی ہوئی اور گمراہ دنیا کو نہایت دل سوزی اور اخلاص کے ساتھ راہِ راست پر لانے کے لیے اپنی قیمتی جان اور سرمایہ بھی کھپائے گی۔ بُرائی اور بے حیائی اور بدی کو مٹانے کے لیے ہر وقت سعی کرتی رہے گی۔

حق نے کہ ڈالی، میں دوہری خدمتیں ترسے پہرہ

خود تڑپنا ہی نہیں اور دل کو تڑپانا بھی ہے

اور دوسرے مقام پر رب العزت نے یوں ارشاد فرمایا ہے:-

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ
وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ
اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جس نے
دعوت دی اللہ تعالیٰ کی طرف اور نیک کام
کیا اور کہا کہ میں حکم بردار ہوں۔
(۲۳۷۱-۲۳۷۲ م المائدہ)

اس سے معلوم ہوا کہ داعی الی اللہ کے قول سے بہتر قول اور کلام اور کسی کا نہیں ہو سکتا، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو اور خود بھی اچھے اعمال کا جو کہ ہو اور خدا تعالیٰ کی نیکی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے کے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے اس کا طعن نہ اُتے اور روشن نشانی صرف مذہبِ اسلام ہو اور ہر قسم کی نسبتوں اور القوتوں سے یک شو اور بے نیاز ہو کہ اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے۔
نباتِ خود اس پر عامل ہو اور دنیا کو اس پر عمل پیرا اور فریضہ موہنی دعوئے۔

خیر الامم

فصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ اس اُمتِ مرحومہ کا درجہ، مرتبہ اور شان تمام اُمتوں سے بڑھ کر ہے اور اس کا فریضہ سب اُمتوں سے بڑا اور اس کا کارنامہ سب سے اعلیٰ اور اہم ہے اور اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَذَلِكَ مِمَّنْ لَّيَالَهُ (الآیۃ)
تم سب سے بھلی اُمت ہو جو لوگوں کے لیے
بھیجی گئی تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بُرائی
سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر
ایمان لاتے ہو۔
(دیکھ۔ آل عمران ۱۱۰)

یعنی اس اُمت کے بہتر اور اعلیٰ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوگی، قوت و شوکت ہوگی، اقتدار و سلطنت کی باگ ڈور ہوگی، یہ سب چیزیں محض ضمنی بالفتح اور سایہ ہیں اس اُمت کی اصل فضیلت اور برتری کے مقابلہ میں یہ بالکل بیچ ہیں۔ اس اُمتِ مرحومہ کی حقیقی بہتری کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ لوگوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کے سبب بہتر ہے اور خیر خواہی اور ہمدردی کی وجہ بھی بیان فرمادی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صورت میں ہی خواہی ان کے اسوہ میں داخل ہوگی۔ چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تاقیامت کسی کو نبوت اور رسالت کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا اور دینِ اسلام قیامت تک باقی رہنے والی ایک النول اور

ہے ہیں اور یہ جبار یا کشتی خواہشات و لذائذ، مرغوبات اور مالوفات کے گھرے سمندر یا دریا میں حرکت کر رہی ہے۔ اگر بالائی طبقے والے جن کی روح میں رفعت اور بلندی ہے، پچھلے طبقے والوں کو جن کے مزاج اور مود استعداد میں قدرے پستی اور ذلت ہے، کشتی میں سوار کر کے نہ روکیں گے اور اس موقع پر حماقت کا ثبوت میں گے، تو نتیجہ اور انجام بغیر ہلاکت و خسار کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس لحاظ سے گناہ اور جرائم کرنے والے گویا اُمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کشتی یا جہاز میں سوار کر رہے ہیں مگر صدافنسوں کہ بایں ہمہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بچے مسلمان اور قوم و ملت کے ناخدا اور رہنما ہیں۔

بڑا اندھیر ہے اکثر مسلمان یہ سمجھتے ہیں
کہ بد اعمال ہو کر بھی مسلمانی نہیں جاتی

حضرت حذیفہ (المتوفی ۳۵ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

والذی نفسی بیدم لتأمرت
بالمعروف ولتأمرن عن المنکر
اولیو شرک الله ان یبعث علیکم
عذاباً من عندہ ثم لتدعنہ و
لا یستجاب لکم (ترمذی ج ۲ ص ۳۹ و
مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۳)

اس پر در دگار کی قسم جس کے ہاتھ میں میری
جان ہے یا تو تم لازماً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کرو گے اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ
تم پر اپنی طرف سے عذاب مسلط کرے
گا پھر تم اس کو پکارو گے مگر تمہاری دعا
قبول نہ کی جائے گی۔

حضرت نعمان بن بشیر (المتوفی ۶۴ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود اللہ کو توڑنے والوں اور مہمانت گرنے والوں کی یوں مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک قوم ہے جو کشتی (اور جہاز) پر سوار ہے۔ بعض کے حصے میں کشتی کا بالائی حصہ آیا اور دیگر بعض کے حصے میں پچھلا حصہ آیا۔ جو زیریں حصہ میں تھے وہ پانی لینے کی غرض سے بالائی حصہ اور طبقہ میں گئے تاکہ پانی لیں۔ لیکن اس بالائی طبقہ والوں نے اس لیے ان کو پانی نہ لینے دیا کہ ان کو اس سے تکلیف اور ذلت ہوتی ہے۔ پانی لینے والوں نے کہا کہ ہمیں تو پانی سے کوئی چارہ نہیں لہذا ہم پانی ضرور لیں گے۔ انہوں نے تیشہ لیا اور پیچھے جا کر اپنے حصہ میں سوار کرنا شروع کر دیا۔ اب اگر اس کشتی یا جہاز پر سوار ہونے والے بالائی طبقہ والے ان احمق لوگوں کے ہاتھ پکڑ لیں تو خود بھی نجات حاصل کر لیں گے اور ان کو بھی تباہی سے بچا لیں گے۔ اور اگر وہ خاموش رہیں (وان تنکوا اہلکوا و اہلکوا انفسہم - بخاری ج ۱ ص ۳۶۹ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۳) اور ان کو نہ روکیں تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور خود بھی ہلاک ہو جائیں گے۔

گویا اس مثال میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت فصیح و بلیغ الفاظ میں ساری اُمت کی عملی زندگی کو کشتی اور اس کے طبقات سے تشبیہ اور مثال دی ہے، جس میں کوئی امیر ہے اور کوئی غریب، کوئی بالادست ہے اور کوئی زیر دست، کوئی بالا خانوں میں وقت بسر کرتا ہے اور کوئی تہ خانوں میں، کوئی دیگر ضروریات سے فارغ البال ہونے کے علاوہ پانی سے بھی خوب متمتع ہو رہا ہے اور کوئی پانی جبکہ کوثر نہا ہے غرضیکہ اعمال کے مختلف مراتب اور درجہ میں رہ کر وہ اپنی عارضی زندگی گزار

صداقت اسلام

قرآن کریم، مذہب اسلام اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور صداقت اہل اسلام کے نزدیک تو ایک مہرمن اور واضح امر ہے جس میں ان کو کسی قسم کا کوئی ادنیٰ شک و شبہ بھی نہیں ہے۔ لیکن اسلام کی سچائی قرآن کریم کی دلائل و بیانی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاص اور شخصیت اس قدر نمایاں اور اس قدر واضح و آشکار ہے کہ غیر مسلم بھی اس کا اقرار کیے بغیر نہیں رہ سکے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اپنے مقام پر بالکل روشن ہے کہ:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ
(سپ۔ آل عمران - ۲)

یعنی اگرچہ تمام غیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مذہب اسلام ہی لے کر آئے تھے۔ کیونکہ اسلام کا معنی انقیاد و تسلیم ہوتا ہے اور یہ سب میں مشترک تھا لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا میں سب مل و اقوام کو جو اکمل، جامع ترین عالمگیر ہے مثل اور ناقابل تنسیخ احکام اور ہدایت سے روشناس کیا، وہ اصولی طور پر تمام شرائع سابقہ حق پر مشتمل ہونے کے باوجود شے نایہ پر بھی حاوی ہے۔ اولیٰ پنی اسی جامعیت اور ہمہ گیر اثر کی وجہ سے اس آخری مذہب کا نام اور لقب اسلام رکھا گیا جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔ جس کے دعاوی بڑے روشن اور دلائل و براہین ایسے محکم اور اہل ہیں جن کے سامنے باطل کا کوئی دعوے اور کوئی

دلیل لمحہ بھر کے لیے نہیں ٹھہر سکتی۔ اب پیروان اسلام کے لیے قیامت تک قانون اسلام کے سوا کوئی دوسرا قانون سرے سے قابل التفات ہی نہیں۔ مگر ہزار افسوس کہ مغربی تہذیب و تمدن کی نیرنگیوں نے عام لوگوں کی آنکھیں بالکل خیر و کر دی ہیں۔ حقیقت میں بدھ و دیگر تہذیب ہی تہذیب ہے ترقی کی طرف تہذیب، انسانی منسب جاتی

غیر مسلموں کا اقرار

ہم ذیل میں چند غیر مسلموں کے مختلف طبقات کے بعض اقوال ہدیہ قاریین کرام کرتے ہیں جن سے ہر سمجھدار آدمی بخوبی حقیقت کی تہ تک پہنچ سکتا ہے، جن میں انگریز، روسی، ہندو اور سکھ وغیرہ بھی شامل ہیں جنہوں نے قرآن مجید، مذہب اسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی عبادت کے متعلق مختلف انداز سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

(۶) مشر ڈی رائٹ، انگلستان کا مشہور مضمون نگار اسلامک ریلویو اینڈ مسلم انڈیا“ فردی سن ۱۹۲۷ء میں لکھتا ہے کہ:-

”و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف اپنی ذات اور قوم کے لیے نہیں بلکہ دنیائے ارضی کیلئے ابر رحمت تھا۔ آپ نے مدتوں مساحت کا سلسلہ جاری رکھا اور سر توڑ کوشش کی کہ ذات پات کا تفرقہ مٹ جائے اور یہی سبب ہے کہ آج اسلام کے اندر ذات، نسل اور قوم کے امتیاز کا کوئی نام و نشان نہیں ہے“

پکارتے تھے۔ انہوں نے گمراہوں کو راستہ بتایا اور لوگوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح کی۔

- ④ انگلستان کا مشہور عقلمند سرولیم میور لکھتا ہے کہ:-
 ”محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سادہ لیکن نہ مٹنے والی تعلیم جو آج ہر جگہ نظر آ رہی ہے، ایک عجیب و غریب اور زبردست وحیرت انگیز اثر دکھایا ہے“
 ⑤ لفٹننٹ کرنل ساکس لکھتا ہے کہ:-

”حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص ان کی اولوالعزمی اخلاقی جرأت، نہایت خلوص نیت، سادگی، رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر انہی صفات کے ساتھ استقلال عزم اور حقیقی پسندی و معاملہ فہمی کی قابلیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔“

- ⑥ سٹری۔ لے فری مین کا بیان ہے کہ:-
 ”اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑے پختہ راست اور پختہ ریفاہ مرتھے۔ اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو ہرگز اپنے مقدس مشن میں آخر تک مستقل اور ثابت قدم نہ رہ سکتے۔“

- ⑦ یورپ کا مشہور فلاسفر اہل قلم کار لائل لکھتا ہے کہ:-
 ”اللہ اللہ ان کی مثال کیا؟ ان کی ذات ایک چنگاری کی طرح تھی جو سیاہ و غیر معلوم ریت پر گری اور پھر وہ ریت شعلہ افشانی کرنے لگی حتیٰ کہ دہلی سے قرطبہ تک بلکہ آسمان سے زمین تک نور ہی نور دکھائی دینے لگا۔“
 ⑧ روس کا بلند پایہ محقق کاؤنٹ طاسطانی، اپنی بہترین کتاب ”میرین آف اسلام“

دشمنان احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باوجود تعصب میں اندھے ہونے کے اس کے اقرار پر پابہ زنجیر ہیں کہ اس نے اپنے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ تاریخ میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں جس نے احکام خداوندی کو اس سخن طریقت سے انجھ م دیا ہو جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے فرائض کو پایہ تکمیل تک رجوع احسن بجالایا ہے۔

- ② مسٹر اسٹینلی لین پول، یورپ کا زبردست محقق اپنی تصنیف ”ایلیچر آف محمد میں لکھتا ہے کہ:-

”حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت بااخلاق اور جمل ریفاہ مرتھے ان کی بے ریا خدا پرستی، عظیم فیاضی مستحق تعریف ہے۔ آپ اس قدر انکار پسند تھے کہ بیماروں کی عیادت کو خود بنایا کرتے تھے، غریبوں اور غلاموں کی دعوت قبول کر لیتے تھے، مسکینوں سے بہت محبت کرتے تھے، اپنے کپڑوں میں بیوند لگالیتے تھے، بچوں کا دودھ خود دہتے اور اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ بے شک وہ مقدس پیغمبر تھے۔“

- ③ مسٹر ہربرٹ وائیل، یورپ کا منصف مزاج مؤلف اپنی کتاب ”گریٹ ٹیچرز میں لکھتا ہے کہ:-

”حضرت مسیح (علیہ السلام) سے (تقریباً) چھ سو برس بعد عرب کی اخلاقیات نہایت خراب ہو گئی تھی۔ ۲۰ اپریل سنہ ۵۷۰ء کو حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر پیدا ہوئے جنہوں نے بت پرستی کو بالکل مٹایا اور عرب کے وحشیوں کو مستحکم بنا دیا۔ عام لوگ ان کی سچائی و دیانتداری کے سبب آپ کو ”الکین“ کہہ کر

کو کھٹے دل سے اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے، پھر وہ بھی میری ہی طرح اس کی محبت کرنے لگیں گے۔ (ریگ انڈیا)
نیز گاندھی جی نے ایک خاص موقع پر کہا کہ:-

”اسلام ایک سچا مذہب ہے۔ اگر اسلام سچا نہ ہوتا تو کب کا صفحہ ہستی سے نابود ہو گیا ہوتا۔“ (بحوالہ اخبار آزاد لاہور ۲۷ نومبر ۱۹۴۶ء ص ۶)

⑪ مسٹر ٹی۔ ایس کٹلیہ ڈپٹی انسپکٹر کتابت کہ:-

”بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک سچے پیغمبر تھے۔ سچے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق میرے دل میں جس قدر بلگائیاں تھیں، میں روح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معانی مانگتا ہوں اور علی الاعلان کہتا ہوں کہ آج دنیا میں ایک شخص کی بھی مجال نہیں کہ وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیر کڑ پر ایک بھی سیاہ داغ لگا سکے۔“

⑫ ایک سکھ فاضل سردار پریم سنگھ کا بیان ہے کہ:-

”میں ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو نہیں مان سکتا کہ جو نبی کہہ رہا ہو، کچھ اور ہو، اور اُس کے دل میں کچھ اور ہو اور پھر وہ نبی تمام قوت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرے کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کا رسول ہوں۔ مگر وہ اپنے کام میں ثابت قدم ہے اور آخر کامیاب ہو کر دم لیا۔ کوئی یقین دلا سکتا ہے کہ تیس کروڑ بلکہ چالیس کروڑ (اور اس وقت تقریباً ایک ارب بلکہ اس سے بھی زیادہ - صفحہ) مسلمان جو آج قرآن مجید کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اس سے پہلے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سچا ایمان رکھتے

میں لکھتا ہے کہ:-

”محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات زندگی پر محققانہ و فلسفیانہ نظر ڈال کر مجھے اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تاثر نہیں ہے کہ بلاشبہ وہ سچے پیغمبر اور کروڑوں بندگان خدا کے ہادی و رہبر ہیں۔ انہوں نے گمراہ لوگوں میں نور ایمان پیدا کیا، ان کے دلوں میں حق پسندی و صداقت کا جذبہ پیدا کیا انہوں نے اعلان کیا کہ خدا ایک ہے اور اس کے نزدیک سب انسان برابر ہیں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت و برتری نہیں ہے۔ حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت ہی متواضع، خلیق، روشن فکر اور صاحب بصیرت پیغمبر تھے۔ لوگوں سے بہت ہی عمدہ معاملہ کرتے تھے؟“

⑨ ڈاکٹر مارکس ڈاؤ، مشہور محقق اپنی کتاب محمد، مجد اینڈ مسیح میں لکھتا ہے:-

”حضرت محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اخلاق نہایت اعلیٰ تھا۔ آپ کے نزدیک دنیوی وجاہت کوئی چیز نہ تھی۔ آپ امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ آپ کی ذات سچو شہرہ خیر و برکت تھی، آپ نہایت صابر و شاکر اور انکار پسند تھے، آپ نے بت پرستی مٹا کر خدا پرستی کی نیک تعلیم دی اور وہ بیشک ایک کامیاب رہنما رہے۔“

⑩ ہندوستان کا مشہور معرّف اور ہندوؤں کا ہر عزیز لیڈر اور ان کا ممتاز مسٹر مونس داس کرچند گاندھی (متوفی مقتولاً ۳۱ جزی ۱۹۴۸ء) کا بیان ہے کہ:-

”مغربی دنیا اندھیرے میں غرق تھی۔ ایک روشن ستارہ اُفق مشرق سے چمکا اور اس نے بے قرار دنیا کو روشنی اور تسلی کا پیغام دیا۔ اسلام جبراً مذہب نہیں ہندوؤں

عقیق احمد صاحب کے ماخوذ ہیں، بجز ان کے حوالہ کے جو اخبار آزاد سے ماخوذ ہے
 (۱۳) آرنیل سرولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ:-
 ”مسلمانوں کا اپنی خاص کتاب (قرآن مجید) کا ہماری کتب مقدسہ کے اختلاف
 عبارات سے مقابلہ کرنا ایسی چیزوں کا باہم مقابلہ کرنا ہے جن کے حالات اور اصلی
 امور میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔“ (حاشیہ لائف آف محمد جلد اول ص ۱۵)
 اور نیز لکھتے ہیں کہ:-

”اُن کا حافظہ ایسا مضبوط اور ان کی محنت ایسی قوی تھی کہ حسب روایات قیم
 اکثر اصحاب، حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات ہی میں بڑی جوت کے ساتھ
 تمام وحی کو حفظ کر لے سکتے تھے۔“ (لائف آف محمد جلد اول ص ۱۵ مطبوعہ لندن ۱۸۷۱ء)
 (۱۵) مشہور مستشرق پروفیسر براؤن لکھتا ہے کہ:-

”تہذیب عالم میں مسلمانوں نے جس قدر شاندار اضافہ کیا ہے وہ صرف
 اسلام کا طفیل تھا، وہ اسلام جس کی سیدھی سادی مگر اعلیٰ تعلیم کو کوئی بے تعصب
 محقق نظر انداز نہیں کر سکتا۔“
 نیز براؤن ہی لکھتا ہے کہ:-

”قرآن مجید کا میں جتنا مطالعہ کرتا ہوں اور اس کی روح کو اکتساب کرنے کی
 کوشش کرتا ہوں، اسی قدر مجھے اس میں زیادہ لطافت آتا ہے۔“
 (۱۶) ڈیوید کا قول ہے کہ:- مسلمان بزدل، وحشی اور ظالم نہیں تھے بلکہ شجاع
 خلیق اور عادل تھے۔

(۱۷) مشہور فرانسیسی فلاسفر موسیورینان مسجد میں جماعت کی تنظیم کو دیکھ کر کہتا ہے کہ:-

تھے، وہ تمام لوگ ایسے تھے جنہوں نے ایک جھوٹی بات پر اپنے ایمان کو جھگایا کہ
 کے احکام پر ایک (جہاری) دنیا اپنا سر جھکا کر ہے۔ گزشتہ تیرہ سو سال سے
 مومنین ہر روز کم از کم پانچ بار محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام مبارک
 اپنی زبانوں پر جاری رکھتے ہیں۔ کوئی مجھے بتائے کہ یہ طاقت کہاں سے آئی؟
 کیا یہ الہی طاقت نہیں؟

(۱۸) شری راج ویڈر ہڈٹ گداوہر پشاد شرمائیس اعظم الہ آباد کہتے ہیں کہ:-
 ”میں ایک راسخ العقیدہ ہندو ہوں لیکن میں نے ہندو عیسائی اور اسلامی مذاہب
 کے بانیوں کے حالات زندگی کو اپنی بہترین توجہ کا مزاج دیا ہے اور میں اس
 اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام دنیا کا بہترین مذہب ہے اور میں بجا بگ دہل اعلان
 کرتا ہوں کہ میری رائے میں اگر کسی مذہب کو اخوت باہمی، اخلاق، تہذیب اور اتحاد
 کی دولت فراوانی اور کثرت کے ساتھ عطا کی گئی ہے تو وہ تمام مذاہب کا سردار
 اسلام ہے۔ اسلام کی فیاضی اور کشادہ دلی اس کا امتیازی نشان ہے۔ وہ بلا لحاظ
 اس بات کے کہ کوئی امیر ہے یا غریب سب کو اپنی شفیق آغوش میں پناہ دیتا ہے
 اس کے دروازے سب کے لیے کھلے ہوئے ہیں، ہر خیال و رنگ کے انسان اس
 کے زیر سایہ آرام و راحت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں، اچھوت پن کی لعنت دور کرنے
 کی طاقت اسلام اور صرف اسلام میں ہے۔ پیغمبر اسلام تمام اوصاف حسنہ کے
 مجسمہ تھے۔ مسلمان فطرۃً روحانیت پسند واقع ہوئے ہیں، انہیں مذہب اخلاق
 سے خاص لگاؤ ہے۔“

(یہ جملہ اقتباسات کتاب سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم و امصنفہ مولانا

ہے کہ اس سلسلہ میں ساری دنیا کی دولت کما کر بھی وہ لذت و عیش و نشاط و سرور اور وہ انبساط و انشراح ایک لمحہ بھر کے لیے حاصل نہیں ہو سکتا جس کو بندگان خدا اپنا سب کچھ کھو کر حاصل کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ وہ یقینی طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ راہ حق میں توجید و سنت کی دعوت دیتے ہوئے ایک فاقہ مست مبلغ اپنے نازک پاؤں کے تلووں میں کانٹے چبھا کر جو لذت و سرور حاصل کرتا ہے، وہ دنیا و مافیہا کے خزانوں سے اُسے زیادہ عزیز ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اگر ایک انسان کو بھی اُس کے رپ حقیقی سے ملانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ مال و جان کے نقصان کو نقصان و زیاں نہیں سمجھتا بلکہ یقیناً کامل رکھتا ہے کہ یہ ضیاعِ دقت نہیں بلکہ کامیابیوں اور شادمانیوں کا تاج و تخت ہے۔ یہ زبانِ نفس و مال نہیں بلکہ فوز و فلاح ہے یہ شکست نہیں بلکہ فوز و مرد کی فتح ہے اور حصول و وصول کی بہشت ہے، یہ لُٹنا نہیں لُٹنا ہے۔ یہ کھونا نہیں پانا ہے، یہ دینا نہیں لینا ہے، یہ خُردان نہیں فِراغ ہے اور اس نیک مقصد میں موت موت نہیں بلکہ حیات جاودانی ہے۔ اس لیے کہ اس کی ایک قربانی سے ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کے قلوب اور دلوں میں شوق میں وہ اپنے اندر اور اپنے سے باہر جو کچھ بھی رکھتا ہے سب کو اسی غرض کے لیے لٹا دیتا ہے اور فرشِ خاک کو وہ اپنے لیے مرصعِ تخت سمجھتا ہے اور بخیرِ زود اور کرمِ خوردہ کھیل کو تاجِ شاہی سے کم نہیں جانتا اور اس پر وہ شادمان ہوتا ہے کہ

بسترِ خاک کا دو پارچے کبسل کی کلاہ
تاجِ خسرو ہے ہی تختِ سیماں ہے ہی

اپنی زندگی میں جب کبھی میں مسلمانوں کی مسجد میں داخل ہوا ہوں میں نے اپنے اندر اسلام کی طرف ایک خاص کشش محسوس کی ہے بلکہ مجھے اپنے مسلمان نہ ہونے پر افسوس ہوتا ہے۔

دیہ اقباسات اخبار کوثر لاہور ۱۹ نومبر ۱۳۶۵ء (جک سے ماخوذ ہیں)۔

قارئینِ کرام! غیر مسلموں کے یہ چند اقباسات بطور نمونہ نقل کئے گئے ہیں درنہ ابھی بسیرگ سو اجناس اور بھی پیشِ نظر ہیں۔ اگر کتاب کے حجم کے بڑھ جانے کا ڈر نہ ہو تو ہم ان کو بھی ہر یہ ناظرین کرتے لیکن محدود وسائل اور محصور ذرائع کے تحت پھر اس انسائیکلو پیڈیا کی طباعت بڑی مشکل ہو جاتی، اس لیے سر دست اپنی پراکتفا کی جاتی ہے۔ غور فرمائیے کہ قرآنِ کریم، جنابِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور اہل اسلام کی صداقت و دیانت، بلند کرداری اور استقلال، رفعتِ شان اور جلالتِ قدرِ عالی ہمتی اور مخلوقِ خدا کے ساتھ دلسوزی اور ہمدردی کے ثبوت پر غیر مسلموں کی یہ کس قدر ذنی شہادتیں ہیں۔ اس سے بڑھ کر اسلام کی صداقت کی اور کیا شہادت درکار ہے؟ سچ ہے ع۔ الفضل ما شہدت بہ الا عدلا

مبلغ کا رتبہ

امیر بالمعرفت اور نسی عن الملوک کا مقام وہ بلند مقام ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انتخاب فرمایا ہے، اگر اس سے بڑھ کر کوئی اور بہتر منصب ہو تا تو اللہ تعالیٰ وہ ان حضرات کو مرحمت فرماتا۔ اور یہ ایک امر واقعی

ناپائیدار زندگی کو وہ ابدی تپا پڑے گیوں ترجیح دے رہے ہیں؟ اکثر سحر نگار اہل قلم اور آتش بیاں مقرر خالص توحید و سنت کی نشر و اشاعت سے کیوں ٹانوس ہیں؟ ان سب امور کا مختصر مگر کافی و شافی جواب صرف یہ ہے کہ اس مادی اور پرفتن دور اور نام نہاد تہذیب و تمدن کے زمانہ میں اکثر انسانوں کو اپنے جسم خاکی کی فکرت ہے مگر خدا شناس کہ رُوح کی فکرت بہت کم ہے اور اس کی صحیح اور اصلی غذا سے اکثر لوگ بے فکر و بے پروا ہیں۔ عارضی اور فانی زندگی کا خیال اور اس کی بہتری اور برتری کے لیے تنگ و دو تو ہر کس و نا کس کو ہے لیکن پائیدار اور ابدی زندگی کا دھیان بہت کم حضرات کو ہے۔ مقام حیرت ہے کہ یہ نہایت صاف اور سیدھی سی بات بھی ان کے ذہن میں نہیں آتی اور نہ اس کے تغیر و تبدل کے لیے وہ سعی اور کوشاں نظر آتے ہیں۔ برعکس اس کے جو کچھ اور جتنا کچھ بھی وہ کرتے ہیں، اکثر محض اس دارِ غرور ہی کے لیے کرتے ہیں جو مومن کے لیے البتہ اور قید خانہ ہے۔

اس سراب رنگ و بو کو گتال سمجھا ہے تو
آہ لے نادان قفس کو آشیال سمجھا ہے تو

خود فریبی

انسان کی غفلت اور خود فراموشی، نظر فریبی اور خیرہ چشمی دیکھنے کہ وہ اپنا مادی لباس اور گھر بنانے کی فکر میں تو شب و روز غلطال و پیچال ہے مگر وہ

ہمارے اسلاف نے اسلام کی تبلیغ و خدمت میں جس قدر تن و ہی اور غریبی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام عالم اور خصوصاً پاکستان کے مسلمان ان اکابر کے نقش قدم پر گامزن ہوتے ہوئے کامل اور صادق و فادری اپنے دلوں میں رقم کر لیں اور اصلاح عقائد و اعمال اور ترویج بدعات و رسوم میں پوری پوری کوشش کریں تاکہ دینِ قریم کی پھلی عظمت رفتہ اور شان پھر عروج کرے اور اسلام کو اور اس کی بدولت خود مسلمانوں کو ابدی عزت اور سر بلندی نصیب ہو جن کا ایک ایک فرد بزبانِ حال دل کی آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ

میرا وقت مجھے بے بچہ گریا میرا رنگ و روپ بچہ گریا
جو چین خزاں سے اُجڑ گیا میں اُسی کی فصل بہا ہوں

غفلت و کاہلی

سوچنے کی بات ہے کہ مسلمانوں میں بالعموم اس وقت تبلیغی زندگی کی حالت ہے؟ اقوامِ عالم کو عذابِ الہی سے آگاہ کرنے کے دلوے ان میں کیوں نہیں اُبھرتے؟ بشارتِ ربانی سننے کے لیے ان کی زبانیں کیوں خاموش ہیں؟ ضائع خداوندی کے حصول کے لیے جان کھپانے کے جذبہ انہیں کیوں مغفود ہیں؟ فکرِ آخرت کی ترپ ان میں کیوں عفتا ہے؟ ایسا و قربانی کی اعلیٰ مثالیں ان میں کیوں ناپید ہیں؟ مذہبی غیرت اور دینی جذبہ کا ان میں کیوں فقدان ہے؟ اخلاقی برتری اور روحانی زندگی سے وہ کیوں نفرت کرتے ہیں؟ دنیا کی فانی اور

مصطفیٰ ﷺ اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر یہ جذبہ اپنے دل میں لے کر اٹھے کہ اسلام ساری دنیا میں پھیل جائے اور سب انسان اللہ تعالیٰ کے صحیح معنی میں بندے ہو جائیں اور اپنی ساری جماعتی تنظیموں کا اصلی مقصد ہی اسی تبلیغ دین کو سمجھیں۔ سائنس کی غیر معمولی ترقی اور اُس کے حیرت انگیز فتوحات کے سبب قدرت کی طرف سے آسانی اور سہولت کے سبب سامان مہیا ہو چکے ہیں، اب صرف ہماری جدوجہد کے امتحان کا وقت ہے۔ دیکھئے کس خوش نصیب کو اپنے نفس کے سنوارنے کا موقع ملے گا آتا ہے۔

دل میں لگا کے اُن کی لو، کرے جہاں میں لشکر ہو
شمعیں تو جل رہی ہیں سوا، بزم میں روشنی نہیں

اس اُمت کی حق گوئی

احادیث کے روشن ذخیرے سے یہ امر بالکل آشکارا ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین حق و صداقت کی آواز سے کبھی خالی نہیں رہے گی تا وہ فیکہ حضرت علی علیہ السلام آسمان سے نازل ہو کر تمام ادیان و مذاہب باطلہ کو باذن اللہ مٹا کر صرف ایک ہی دین اور ایک ہی مذہب کا سنہری پرچم نہ لہرائیں جس کا نام اسلام ہے۔ اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اور اس دینِ قویم کی نصرت و تہدید کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ سخت سے سخت دور طغیان و فساد میں بھی صاحبین اُمت کی ایک جماعت، ضرور ایسی قائم رکھے گا جن کے نفوس و قلب خود اللہ تعالیٰ کی پستہ اور

اپنے لباسِ تقویٰ اور اپنی روح کو سنوارنے اور تاریک قبر میں اُجالا کرنے کا کوئی سامان نہیں کرنا۔ ظاہری صفاتی توہر چیز میں عیاں ہے مگر کاش باطنی طہارت کا نشان تک نہیں۔ رسمی اخلاق اور بناوٹی تبسم کی تو کوئی انتہا نہیں لیکن حقیقی خندہ رومی جس میں قلبی شفقت بھی جلوہ گر ہو یکسر مفقود ہے۔ لفظی اور نمائش کی زبانی ہمدردیاں اور دل سوزیاں تو بہت زیادہ ہیں لیکن قلبی اور قابی دگلندزی ناپید ہے۔ بغرض قوم کی قوم اور اس کی ساری زندگی اور زندگی کی ایک ایک حرکت نمود و نمائش، صورتِ آفاقی اور اختراع و کھلاوے اور ریاسے پر ہے اور یہ سب بانیں اس مادی دورِ تہذیب و تمدن کے مصنوعی اخلاق کا ادنیٰ اگر ٹکڑہ ہے جس کو آزادی خیال سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور درحقیقت اسی میں قوم کی تباہی مضمر ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کٹی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیادینے کا ناپائیدار ہوگا

اس لیے تمام مسلمانوں کا یہ ایمانی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنالیں اور اپنے کسی بھائی کی کسی اونٹ سے اونٹ لے کر نہ لیں اور کبھی کو دیکھ کر ہر گز خاموش نہ ہوں بلکہ غلوت و جلوت، دن اور رات آہستہ اور علاوہ ہر حال میں انتہائی محبت اور پیار بلکہ محنت اور خوشامد کے ساتھ اُسے دوزخ کی شعلہ زن آگ سے بچانے کی سعیِ بلیغ کریں تاکہ خدا تعالیٰ کے آخری اور مکمل دین کا گھر گھر چرچا ہو اور ہر ایک خورد و بزرگ حق تعالیٰ کی محبت اور رضا جوئی میں سرشار ہو کر اور جناب الام الانبیاء خاتم النبیین محمد

ولا من خالفهم حتى يأتي امر الله
 دھوکہ اللہ و بھاری چرا ص ۱۴۷ و
 مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۸۳
 کے حکم کو تھامے کچھ کا اس کو وہ لوگ کوئی نقصان
 نہیں پہنچا سکیں گے جو ان کو رسوا اور ذلیل کرنے
 اور ان کی مخالفت پر تے ہوں گے یہاں
 تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے (یعنی قیامت)
 اور وہ اسی طرح حق پر قائم ہوں گے۔

اور حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) کی روایت میں ہے کہ جناب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
 لا تزال طائفة من امتی یقاتلون
 قیامت تک میری امت میں سے ایک گروہ
 علی الحق ظاہرین الی یوم القیمة
 ضرور ایسا ہے گا جو حق کی خاطر قتال و
 قال فی نزول عیسیٰ بن مریم۔ الحدیث
 جہاد کرے گا تا آنکہ حضرت عیسیٰ بن مریم
 (مسلم ج ۱ ص ۸۷ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۸۷)
 علیہما السلام نازل ہوں۔

یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ دیگر متعدد صحابہ کرام سے بھی مروی ہے
 اص حدیث سے صاف طور پر یہ واضح ہو گیا کہ امت مسلمہ کا ایک حق کو اور حق خواہ
 طاقت قیامت تک قائم و دائم رہے گا اور اس مبارک ٹولہ کی آخری کڑی حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام سے جڑ جائے گی جو آسمان سے نازل ہو کر حق کو باطل پر غالب و منصور کرنے
 کے لیے شب و روز کو شمال اور سامعی ہوں گے۔ اور ان کی زندگی ہی میں یہ شادمانی
 ان کو حاصل ہوگی کہ صرف دین حق ہی باقی ہے گا اور باقی تمام ادیان مٹ جائیں گے۔

زمانے کی انجبری ہوئی تہذیب جدید
 حشر کے پہلے ہی فنا ہو کے رہے گی

حفاظت میں ہوں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی سے خوف نہیں کھائیں گے
 ان کا دل صرف ایک ذات سے ڈرے گا جو ڈر کی خالق ہے، اور یہ بالکل ایک
 حقیقت ثابت ہے کہ جو دل خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرے گا وہ دنیا کی ہر شے سے ڈرنے
 لگتا ہے، اور ایسے بندگان خدا کو کسی قوی سے قوی دشمن کا جو رستم اور کسی طاقت پر
 سے طاقت و مخالفت کا کوئی ظلم و عدوان بھی حق کوئی سے نہیں روک سکے گا۔
 وہ جان فروش مومن اپنی شمشیر صاف کوئی سے کلیم پوش ہو کر بھی فواش و معنات
 کے فلک بوس مجتہدوں کو چکنا چور کر دیں گے اور ضلالت شیطانی کا ان پر دسترس اور
 تسلط نہیں ہوگا اور جو لوگ ان کی مخالفت کریں گے، وہ ان کو نقصان پہنچانے میں
 کبھی بامراد و کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ وہ ہر باطل کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر
 ہوننا کٹھنوں کی بے پناہ موج سے کھینچے ہوئے بھی چراغ ہدایت اور شمع اسلام کو روشن رکھیں گے
 اور نصرت الہی کی کام لیں اور اعانت خداوندی کی فتحندیوں کے ساتھ وہ جاں باز و جان نثار
 حق کو باطل پر غالب کرنے کے لیے اور باطل کو پامال کرنے کیلئے جان عزیز کو متحیل پر رکھ
 کر جام شہادت کے سلاخی اور منتظر ہوں گے اور موت شہادت کو یوں خطاب کریں گے۔
 سے اتنا پیغمبر درو کا کون جب صبا کوئے یار میں گزے
 کون سی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گزے

حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث میں یوں آتا ہے۔
 قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 قال لا یمیزال من امتی اُمة قائمة
 بامر اللہ لا یضرهم من خذلہم و
 فرمایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ میری امت
 میں ایک گروہ ضرور ایسا ہے گا جو اللہ تعالیٰ

غرضیکہ متعدد روایات اس پر پوری طرح روشنی ڈالتی ہیں کہ مجموعی لحاظ سے
من حیث القوم یا امت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہوگی۔ اور چودہ سو سال سے ربّ قدیر
کے فضل و کرم سے ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ امت سرور حق پر ٹٹی رہی ہے۔

جماعتی زندگی کا مفہوم اور اُس کی اہمیت

بلاشبک و شبہ مذہب اسلام نے جماعتی زندگی پر بڑا زور دیا ہے اور جماعتی زندگی
کے ترک کو اسلامی زندگی کے ترک سے تعبیر کیا ہے، جس کا نتیجہ سوائے فسادِ ان
اور عذابِ جہنم کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ (معاذ اللہ) اور حدیث من شدّ
شدّ فی النار (ترمذی ج ۲ ص ۲۹۹ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۱) کا یہی مطلب ہے۔ اور دوسری
حدیث میں واشکاف الغلاف میں رسولِ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
ارشاد فرمایا ہے کہ:-

فانہ یس احد یفارق الجماعة
شبرا فیموت الامات مینة جاهلیة
جو شخص بھی جماعت کے ایک بالشت بھر
الگ ہوا اور اسی حالت میں اسکی وفات
(متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۹)
ہوگئی تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔
اور ظاہر ہے کہ ایسی زندگی اسلامی زندگی کے سراسر مخالف ہے۔ کیونکہ اسلامی
زندگی کی روح یہی ہے کہ مومن کی حیات و موت اسکی آبادی اور نیک عمل جن اللہ تعالیٰ
کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے ہو اور بس۔ اس کا جو قدم بھی اُٹھتا ہو۔
اپنے ربّ ذوالمنن کے شوقِ دیدار کے لیے اُٹھے اور اُس کے لبوں سے جب بھی

یہ امت کبھی ضلالت پر جمع نہ ہوگی

اگرچہ سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں مذہبی اور سیاسی مخلصانہ اور خود غرضانہ
فتنے اس دھرتی پر ایسے برپا ہو چکے ہیں جن کا تصور کرتے ہوئے بھی جسم کا نپ
جاتا ہے۔ قلم میں لغزش پیدا ہو جاتی ہے، بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔
اور زبان کو طاققت گفتار نہیں رہتی جن فتن میں کئی ایک بندگانِ حرص و ہوا
اجماعِ امت کے جادہ مستقیم کو پھوڑ کر ضالۃ الغم بن بھی چکے ہیں مگر بحمد اللہ
تعالیٰ مجموعی حیثیت سے اس امت سرور کو کبھی بھی ضلالت و گمراہی پر اجتماع نہیں
ہوا اور افضل اللہ نہ تاقیامت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا دست قدرت و نصرت ہمیشہ
سے اس جماعت پر رہا ہے اور ہمہ قیامت تک ہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) کی روایت یوں آتی ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

لا یجمع الله اُمتی علی ضلالتہ
ابداً و بعد الله علی الجماعة -
اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی گمراہی
پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ کاملاً
(مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۱)
جماعت پر ہے گا۔

اسی مضمون کی روایت حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے بھی
آتی ہے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۹۹ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۱) اور حضرت
انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے بھی مروی ہے۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۱)۔

واجتماع، اس کا اتفاق و اتحاد اور اس کا نظم و ضبط محض خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی کے لیے ہو۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کے لیے ہو، قرآن و حدیث کی سر بلندی کے لیے ہو، خلافت راشدہ کے قیام اور اُس کی بقا کے لیے ہو، اسلاف صالحین کے بہترین طرز زندگی کے احیاء کے لیے ہو۔ اور ملت کے ایک ایک فرد کی کوشش و کاوش، سعی و عمل، تپش و غلش اور سوز و گلاز جو ان کے قلب عشق آمیز کی گہرائیوں سے ابھر کر پل آتش نوا تک پہنچا ہو اور جس کی بدولت جذب و اثر کی دنیا رقص کرتی دکھائی دے، صرف اور صرف اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہو۔ کتاب و سنت کے لیے ہو، اسلام کی رفعت اور کامیابی کے لیے ہو۔ جس وقت اور جس قدر یہ آرزو بلند اور پاکیزہ تھی اس وقت یہ اُمتِ مسلمہ اور اس کا ایک ایک فرد ہمہ تن رضائے خداوندی پیروی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور تبلیغ اسلام میں منہمک تھا۔ مگر ان کی تبلیغ و سعی محض زبان کی شہرہ بی اور قلم کی روشنائی ہی کی رہن منت نہ تھی بلکہ اس میں غور، فکر کی سرخی اور دل کی سوزش بھی شامل تھی۔ وہ باوجود اختلاف استعداد کے اسلام کے صفات و شفاف چشمہ سے مستفید ہو کر سب عالم کو منور کرنے کے درپے تھے۔ ایک بجلی تھی جو سب میں کو نور ہی تھی، ایک بے فستار روح تھی جو سب میں تڑپ رہی تھی ایسا ب کی طرح نہ ٹھہرنے والا دل تھا جس نے سب کو بے قرار کر دیا تھا۔ وہ بے سرو سامان تھے مگر منظم حکومتیں اُن سے لرزتی تھیں، اناج و تخت کے مالک اُن سے ٹھہراتے تھے، وہ کھٹورے تھے۔ مگر غالب و منصور تھے، وہ پیدل تھے مگر برقی رفتار تھے۔ وہ بعض دفعہ اکیلے ہوتے

کوئی بات نکلے تو صرف حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لیے، اور کیوں نہ ہو اس کو تو سبق ہی یہ ملا ہے :- **فَلْيَأْمُرْ بِالْعَدْلِ وَ لْيَنْهَ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ الْمُنْكَرِ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُذْذِبِينَ**۔

یہ بات ہمیشہ ہمیش نظر ہے کہ اسلام کی نگاہ میں جماعتی زندگی کا معنی اور مطلب کیا ہے اور اسلام جماعتی زندگی کس زندگی کو کہتا ہے؟۔ اسلامی تعلیم کے رُوسے جماعتی زندگی یہ نہیں کہ باہم مل کر نفس رنج طبع کے لیے کوئی کلب بنایا جائے اور فرصت کے اوقات میں وہاں جمع ہو کر خوش گپیاں مانچی جائیں اور دل کی اُمنگیں نکالی جائیں یا اتفاق کر کے کوئی اکھاڑا اور ورزش گاہ تجویز کر لی جائے جہاں صبح و شام اکٹھے ہو کر ورزش کی جائے یا کشتی لڑی جائے، یا اصلاحی نام پر کوئی ادارہ یا انجمن بنالی جائے اور صلاح و مشورہ سے اپنے مزعومہ اور مفروضہ دینی اغراض و مقاصد کو بر دے کا ر لایا جائے، یا کوئی کمیٹی ترتیب دی جائے جس کے ذریعے ووٹوں کی دنیا میں اپنے مقصد یہاں کو عملی جامہ پہنا یا جائے۔ یا قرآن و سنت اور فقہ اسلامی سے مستغنی ہو کر اپنے خود تراشیدہ اور خانہ ساز اصول کے تحت کوئی سوشلٹی وضع اور اختراع کر لی جائے جیسے ملکی اور قومی، سیاسی اور اقتصادی، معاشی اور معاشرتی مفاد کو انجام دینے کی سعی اور کوشش کی جائے۔ یا اسی قسم کی کوئی اور اجتماعی صورت اختیار کر لی جائے، جس میں زندگی کے لائحہ عمل پر غور و فحوض کیا جائے۔ اگرچہ ان تمام صورتوں میں نظریہ ظاہر اجتماعی شکل تو موجود ہے لیکن اسلامی نقطہ نظر سے یہ اُس اجتماعی زندگی کا مصداق نہ کہ نہیں جو اسلام کا مقصود و مطلوب ہے بلکہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی یک جہتی

یعنی اللہ تعالیٰ کی اس مضبوط اور متین رسی کو جو قرآن مجید اور دین قیم کے نام سے موسوم ہے پوری قوت اور طاقت کے ساتھ پھڑو۔ یہ عروہ و ثقلی اور حکم رسی ٹوٹ تو سکتی ہے لَوْ اِنْفَصَامَ لَهَا، ہاں حمال نصیبوں کے ہاتھوں سے چھوٹ سکتی ہے۔ اگر مسلمان سب مل کر اجتماعی قوت اور امکانی طاقت سے اس کو پکڑ لیں گے تو کبھی کسی باطل اور طاغوتی طاقت سے بظلمہ تعالیٰ ان کو کوئی گزند اور تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ کوئی شیطان صفت اپنی شیطنت اور شرانگیزی میں کبھی کامیاب ہو سکے گا۔ اور انفرادی زندگی صالح ہونے کے علاوہ اُمت مسلمہ کی اجتماعی اور قومی قوت بھی بڑی مضبوط اور ناقابل اختلال ہو جائے گی۔ اور قرآن و سنت سے تمسک کرنے کی برکت سے تمام بھری ہوئی قوتیں جمع ہو جائیں گی اور مردہ قوموں کو ابدی زندگی اور حیات تازہ حاصل ہوگی۔ آہستہ آہستہ جو اس کیفیت سے محروم اور شرابِ حق کے نشہ سے غمزدہ ہوگا اس کے دل سے اسلام کی اجنبیت دور اور ہیکانگی کا فور ہو جائے گی۔ صدائے حق کی کشش اور نوائے صدق کی حشر ملی بانسری ضرور عینیب دلول پر اثر کرے گی۔ کان والے اسے سنیں گے اور جو سنیں گے صرصر صنین گے۔ اسلام کی رفعت اور سر بلندی کے لیے وہ اپنے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہن کر اور اپنے پاؤں میں زنجیروں کے بوچھل طعنے ڈال کر اور اپنے نرم و نازک جسم کو چور چور کر داکر بلکہ اکثر اوقات دار و رسن کے نیچے کھڑے ہو کر بھی وہ ایسی لذت محسوس کرتے ہیں جو شاہ مہفت اقلیم کو سلطنت کا سنہری تلج پہن کر بھی محسوس نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ اپنی بقا کا راز ہی اسی میں سمجھتے ہیں کہ ۔

فَنَاقِيَ اللّٰهَ كِي تَهْ فِي بَقَا كَارِازِ مَضْمُونِ
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

مگر ہزاروں پر بھاری ہستے تھے۔ نور توحید کا جذبہ، مخلوق خدا کی ہدایت و اصلاح کا دلولہ اور کائنات کی رہنمائی کی فکر ہر ایک قلب میں پیوستہ تھی جس کے سبب خدا تعالیٰ کے نام کی سر بلندی، اطاعت رسول کا جذبہ، مخلوق کی صحیح ہمدردی اور ہر کام میں خدا تعالیٰ کی رضا طلبی کا جوش ان میں کام کر رہا تھا۔ وہ جو کچھ بھی تھے، جہاں بھی تھے اور جیسا کچھ بھی کیا کرتے تھے، ان کے ہر کام سے مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور دنیا کی درستی تھی اور بس۔ ان کی دوستی اور دوست بھی محض خدا تعالیٰ کے لیے ہوتی تھی اور ان کی عدوت و دشمنی بھی صرف خدا کے لیے ہوتی تھی۔ وَ اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ کا مجسمہ پیکر تھے۔ ان کی یہ صفت تھی کہ

رہ حق میں تھی دُور اور بھاگ اُنکی	فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُنکی
بھگتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی	شرعت کے قبضہ میں تھی باگ اُنکی
جہاں کر دیا نرم نہ مانگئے وہ	جہاں کر دیا گرم گر مانگئے وہ
کفایت جہاں چاہیئے وال کفایت	سناوٹ جہاں چاہیئے وال سناوٹ
چچی اور تلی دشمنی اور محبت	نہ بے وجہ اُلفت نہ بے وجہ نفرت

جُھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی

رُکا حق سے جو رُک گئے اس سے وہ بھی

اسلام میں جس اتفاق و اتحاد اور جماعتی زندگی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ وہ اللہ

تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمائی ہے :-

وَ اَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا
تَفَرَّقُوا (پ۔ آل عمران - ۱۱)

اور تم اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑو
اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

اُمتِ مسلمہ کی کامیابی کا راز

ہم تعداد میں گونگے ہیں مگر افسوس کہ ستاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہیں اور من مانی اور انفرادی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہم بظاہر اگرچہ ایک دوسرے سے واقف اور قریب تر ہیں لیکن درحقیقت ایک دوسرے سے بے گانہ اور دور ہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی مفاد پرستیوں کے محور کے گرد گھومتا ہے اور حیاتِ ملی کا نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہے۔ اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ قوموں کی بہتری اور بقا کا مدار ان کی مرکزیت اور اجتماع پر ہوتا ہے۔ ان کی انفرادی اور جداگانہ حیثیت اور امتیازی خصوصیت اسی نقطہء ماسک سے وابستہ ہوتی ہے۔ اگر ان کی جماعتی اور تنظیمی زندگی اور مرکزیت میں خلل اور انتشار، تشقت و خلفشار واقع ہو جائے تو ان کی قومی اور ملی حیثیت کا شیرازہ بالکل بکھر جائے اور اندوہناک حوادث و نوازل کی باد صرصر اور دہریت و اتحاد کے طوفان کا ہر جھونکا انہیں حد درجہ چاہے بے وزن پر اور خفیف تنکے کی طرح اڑائے اڑائے پھیرے گا اور ایسے ناگفتہ بہ حالات میں ان کو کہیں قرار و چین کا موقع میسر نہ آئے گا اور صحیح اسلامی نظام کے بغیر جس کی بنیاد کتاب و سنت پر قائم ہو ایسا عالمگیر اتفاق و اتحاد کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اہل مغرب اور مغرب زدہ طاقتوں کے اتفاق کا مرکزی نقطہ مفاد پرستی، مکر و خداع، حیلہ سازی و تصنع اور خود غرضی کے سوا اور کچھ نہیں جس

غور کیجئے کہ جس زمانہٴ فتنہ و فساد میں علانیہ طور پر بدی اور جہنم کی دعوت دی جا رہی ہو اور جس دورِ اتحاد و شرم میں صراطِ مستقیم سے ہٹا کر شیطان اور نفسِ امّارہ کے نقش قدم پر چلایا جا رہا ہو اور جس دہر فتن میں ہر طرف کفر و شرک، جو روحِ عدوان اور ضلالت و گمراہی کا شیعہ ہو اور جس ماحول میں ثقافتِ اسلامی کے نام پر رقص و ہنر و بے حیائی و عریانی اور جنسی خواہشات و لذتِ ذات کا مکروہ و جاسوز اور ایک گونہ ساحرانہ پروپیگنڈا اور شور سے جاری ہو اور اربابِ اقتدار ان مذموم افعال کی سرپرستی کرتے ہوں اور دینی و اخلاقی اقدار سے بے پروائی برتنے ہوں، کیا ایسے نازک ترین وقت میں مسلمانوں کا یہ اسلامی فریضہ نہیں کہ وہ جبل اللہ المتین کے ساتھ وابستہ ہو کر جماعتی زندگی میں اپنے کو منسلک رکھیں اور آپس میں متفق ہوں ایک اجتماعی نظام اور ایک ہی اسلامی رشتہ میں جگر کر صحیح اسلامی زندگی بسر کریں اور گمراہ مخلوق کو غفلت اور جہالت کی بے مزا اور مُسک زندگی سے نکال کر روحانی اور اخلاقی زندگی کی صحیح اور سیدھی لائن پر چلانے کی سعی کریں کیونکہ یہ کام تو مادی دنیا کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اس لیے کہ مادیت کا تمدن اور اس کی بنیاد و اساس ہی فانی تلفذ اور لغزشِ نفس پروری اور تن آسانی پر قائم ہے جس نے قوت و اقتدار کے بل بوتے اور حکمرانی اور شوکت کے زیر سایہ تربیت پاکر باہم عروج تک رسائی کی اور تشنگانِ حیات عارضی کے لیے رعنائی اور دلبری پیدا کر کے جاذبِ قلوب بن گئی ہے جس کا ثمرہ اور نتیجہ ابدی موت کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے؟ مگر اے کاش کہ اس حقیقت کو کوئی سمجھے بھی کرے۔ ہیں آج بہارِ دل پر نازاں نصرت، انہیں دیرانوں سے پھر ہوں گے۔ بیابانِ یادِ دل، یہ راز گشتاں بھول گئے

پس اگر آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کیلئے جماعتی اور منظم زندگی شریعت مطہرہ کی نگاہ میں ایک ضروری اور لازمی چیز تھی، تو یقین کیجئے کہ وہ آج بھی مسلمانوں کے لیے اسی طرح لازمی اور ضروری ہے اور تاقیامت لازم ہی سہی گی چاہے مسلمان عرب میں سکونت پذیر ہوں یا عجم میں، امریکہ میں فروکش ہوں یا افریقہ میں، یورپ میں رہتے ہوں یا ایشیا میں، چین میں رہتے ہوں یا جاپان میں، مصر میں آباد ہوں یا ایران میں، پاکستان کے باشندے ہوں یا ہندوستان کے، غرضیکہ وہ جہاں بھی رہتے ہوں اسلامی زندگی اور روحانی اقدار اور کامل اتحاد و اتفاق کے بغیر ان کی کامیابی امر محال ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس نازک دور میں اس صحیح منزل اور نصب العین کو ہمیشہ نظر نہ رکھا تو اقوام عالم سے متاثر ہو کر ان کے مادی اور انفرادی جذبات ان کی ناک میں نکیل ڈالے انہیں زندگی کی مختلف مگر غلط اور غیر اسلامی شاہراہوں پر لے کر دھڑا دھڑلے پھریں گے۔ کبھی تو مادی تصور است کی ان حسین مگر جملک دلوپوں میں اور کبھی دنیائے دنی کے ناپائدار تحیلات کی ان نگاہ فریب اور ہلاکت آفرین مناظر میں، وہ مادیات اور مغزیت کے جذبات میں بہہ کر آج کچھ کہہ دیں گے اور کل کچھ اور جس قسم کا نظریہ اور جذبہ ان کے دل میں موجزن ہو گا، اسی قسم کی آواز زبان پر آئے گی۔ نہ تو وہ رہبر کو پہچانیں گے اور نہ راہزن کو، اور مطلب پرستی کے غیر سعید بہت ان کو خیر خواہ اور بدخواہ میں کوئی فرق نہ بتائیں گے۔

چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہ و کے ساتھ

پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ سیر کو میں

کیا اُمت مسلمہ کی یہ انتہائی نازک اور ناگفتہ بہ حالت علماء کرام، ارباب اقتدار

سے ہر در و دل رکھنے والے غیور اور خدا خوف مسلمان کو ہمیشہ پرہیز کرنا لازم ہے۔ بھلا غور تو فرمائیے کہ بے خبری طاقتیں اور غیر اسلامی حکومتیں درون خانہ خود اپنے لیے مطلب پرستی کے نامبارک اور منحوس بُت سے فارغ نہیں وہ ہمارے ساتھ کیا بھلائی کریں گی؟ اور جن کی سیاست اور سفارت ہی دھوکہ بازی اور حیلہ جوئی پر مبنی ہو اور جن کے وعدے اور قول و قرار اور دوستی و محبت ہر جانی کے عشق کاغذ ہوں اور جن کی اخلاقی اور روحانی طاقت الفلاک کی بہر اچھیری میں مضمر ہو اور جو منہ سے نکلی ہوئی سیدھی بات کی بے جانا و بدولت کے دبیز پردوں میں حق کو مستور رکھنا چاہتے ہوں وہ بھلا ہمارے ساتھ الفت و محبت اور ہمدردی و دلسوزی کیا کر سکتے ہیں؟ ان کو تو بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ تو بوجہ اشتیاق چہ کر دی کہ بجا کئی نظیری

بمجا کہ لازم آید تو احتراز کر دن

اس لیے مسلمانوں پر از بس لازم ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشن اور غیر متزلزل ہدایت پر عمل پیرا ہوں۔ اور درحقیقت مسلمانوں کی فلاح و کامرانی اور ان کے بقا اور عزت کا اصلی سبب ہی یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی زندگی میں منظم ہو کر رہیں، ورنہ انتشار و تشتت اور پراگندگی و تفریق سے اسلامی اور قومی زندگی بالکل پامال ہو جائے گی اور مسلمانوں کی عالمگیر اور جابگیر جاندار اور شاندار قوم بے وزن اور بے وقعت ہو کر رہ جائیگی جیسا کہ اس دورِ فتن و شرور میں اس کا باسانی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ بالکل ایک قطعی حقیقت ہے کہ سچ

فرد قائم رابطت سے ہے تنہا کچھ نہیں

پر مٹ کر دیں مٹی کہ سب گمراہ اور بھکی ہوئی دنیا کا نقشہ ہی بدل جائے اور اس مادی دور کے پیدا کردہ وہ تمام مصائب و تکالیف، وہ سب الجھنیں اور غلط طریقے جن کے ناپید کرنا رہنمائی میں سب دنیا الجھ کر رہ گئی ہے یکسر ختم ہو جائیں اور خدا تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق روشنی کے اس عظیم الشان اور بلند منار سے فائدہ اٹھائے جس کو حبیب اللہ کے پیارے الفاظ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تمام مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ صحیح اسلامی طریقہ اور اسلامی انداز فکر کو بروئے کار لاکر اپنے لیے بہتر دینی اور روحانی ماحول اور سازگار فضا پیدا کریں۔ یہ آرزو ہر درد دل رکھنے والے مسلمان کے قلب مضطرب میں موجود ہے کہ دینی اور روحانی، اصلاحی اور تعمیری کاموں میں کوئی ایسا منتظم اور محموس مگر زود اثر اور بے لوث لائحہ عمل جلد از جلد مرتب کیا جائے، جو خلوس و سبائی، مٹی و استقامت سے مذہب و ملت اور قوم و وطن کی اسلامی اور روحانی بہتری کے لیے تمام نیک عزائم کی کامیابی اور شادمانی کا ضامن ہو سکے اور زندگی کے ہر شعبہ اور پہلو میں دینی اور مذہبی اور روحانی اور اخلاقی بیداری کے عام نیک آثار نظر آنے لگیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کچھ عید نہیں کہ اسلام کی سر بلندی کے لیے وہ بہتر سے بہتر اسباب پیدا کرے۔ وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بَعِزٌّ

دیکھ گاہ بے نیاز میں لئے درد کیا نہیں

دوست سوال جانب خالق اٹھا کے دیکھ

اور درد دل رکھنے والے مسلمانوں کی توجہ کے لائق نہیں کیا مساجد کی کس پر سی ، غائر و روزہ سے لاپرواہی اور بہت سے شعائر دین سے غفلت حتیٰ کہ بعض اصول دین اور ضروری عقائد سے عوام کی جہالت اصلاح کی محتاج نہیں کیا خالص توحید اور صحیح سنت سے اکثر مسلمانوں کی بے نیازی اور تعلیم دین سے بے اعتنائی و علم اض مستحی تغیر و تبدل نہیں کیا اب وہ وقت نہیں کہ مسلمان اپنے تمام اندرونی اور بیرونی مادی اور فروعی اثرات سے دلوں کو آزاد کر کے اعلائے کلمۃ الحق کے لیے اٹھیں۔ بغیر ان کے آسے اور سارے پر اعتماد کرتے ہوئے نہیں بلکہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر اٹھیں اور اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر بھی نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے اٹھیں۔ صرف قومیت اور وطنیت کا جذبہ لے کر نہیں بلکہ حزب اللہ اور جند اللہ بن کر اٹھیں اور اپنی جاہ و شوکت اور سلطنت و حکومت کے لیے نہیں بلکہ اعلائے حق اور خالص اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے اٹھیں۔ ملک گیری اور مٹا ٹھ باغڈ کی زندگی کے لیے نہیں، رضائے حق اور شوکت اسلام کو اپنی آخری منزل سمجھ کر اٹھیں اور قرآن و سنت کی شمع فروزاں، حق گوئی اور اخلاق فاضلہ کی شمشیر ہاتھ میں لے کر ہر قسم کے فتنہ و فساد اور شر کا قلع قمع کر کے اسلام کو روشن کریں اور اللہ تعالیٰ ہی کے دین حق کو نافذ کر کے دم لیں۔

حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيُكُونَ الدِّينُ

یہاں تک فتنہ یک سر ختم ہو جائے اور دین خالص اللہ تعالیٰ ہی کا نافذ ہو کر رہ جائے

مُكَلَّمَةُ اللَّهِ (پ۔ الانفال۔ ۵)

جملہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی کوشش اور سعی تبلیغ دین اور اشاعت اسلام

۴۴ طریق تبلیغ

دین حق کی تبلیغ اور نشر و اشاعت انتہائی محبت و اُلفت، ہمدردی اور ہمدردی کے ساتھ کرنی چاہیئے اور دین و مذہب کے معاملہ میں ہرگز کوئی جبر واکراہ روا نہیں رکھنا چاہیئے اس لیے کہ عقیدہ و مذہب کا قبول کرنا اور رد کرنا ایک اختیاری معاملہ ہے۔ اس میں تعدی اور تشدد کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ داعی حق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ وسعت ظرف، عالی حوصلگی، شرافت نفس، اخوت اور دلگدازی کے ساتھ اپنے بھوئے ہوئے اور غافل و بے خبر بھائی کو محض نامحمانہ طریق پر نیک صلاح دے اور ابدی فوز و فلاح اور بھلائی کی طرف بلائے اور بدی اور بدکرداری کی برائی عاقبت اور بد انجام سے آگاہ کرے، اس کو بلا وجہ کسی معاذ حق کے ساتھ الجھ کر محکمت و موعظت کا ذریعہ نہ بنے مگر نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے مگر تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں اس راستہ کے مسافر کو کبھی سمجھا رہے بعض معاذین کے ساتھ اپنی زندگی میں منظرانہ انداز میں اہتمام و تقسیم، تبادلہ خیالات اور بادل لائل اثبات حق اور اللطال باطل سے بھی ضرور کام لینا پڑتا ہے اور اس وسیع مگر دشوار گزار گھاٹی کے بیچ در پیچ اور تنگ موڑوں پر بھی گزرتا پڑتا ہے جن میں عقائد و اعمال، اخلاق اور معاملات، سیاسی و معاشیات وغیرہ سے متعلق اظہار خیال اور بحث مباحثہ بلکہ بسا اوقات اس سے بھی آگے نکل کر مجادلہ اور مبارکہ کی نوبت بھی آجاتی ہے جس میں احیاناً آدمی سے اپنی بات کی تائید اور دوسرے کے دعوے کی تردید میں عدل و انصاف اور متانت و سنجیدگی

حیرت منگنے والے سے چھوٹ جاتا ہے اور مخاطب کو بھی اس بے موقع اور نامناسب انداز گفتگو سے متاثر ہو کر عقل و دانش اور عدل و احسان کی حدود سے نکل کر ظلم و تعدی کا غلط اور ٹیڑھا راستہ اختیار کر لینے کا موقع مل جاتا ہے اور ایسے داعی کے درشت لب و لہجہ اور کج بخشی سے اکثر فتنہ و فساد اور شر و عداوت کا ایسا خطرناک دروازہ کھل جاتا ہے جس کا بسا اوقات آسانی کے ساتھ اندوہ بالکل ناممکن ہو جاتا ہے۔

تبلیغ اسلام چونکہ ایک نہایت مبارک اعلیٰ اور پاکیزہ فریضہ ہے جس پر ابدی اور سرمدی فوز و فلاح کا مدار ہے، اس لیے تبلیغ اسلام کے لیے ازل سے نہایت ہی ضروری ہے کہ وہ بیکر عفو و کرم ہو کر بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھے ہوئے اور موثر طریقہ سے پھیلے اور قطعی براہین اور اولہ کے ساتھ اسلام کی صداقت اور حقانیت کو اس کے اصلی حدود و خال کے ساتھ ہمیشہ کرے۔ تبلیغ اسلام کی خوش نما اور مضبوط عبارت کے استوار ہونے اور اس کی تحقیقی روح، عالمگیر شہرت اور حیات ابدی کا راز ہی یہی ہے۔ پس ہر ایک داعی حق اور تبلیغ اسلام کا یہ اسلامی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ پیغام ربانی تو سنئے، فلاح داریں اور نجات مومنین کی دعوت تو پیش کرے، اسلام کی نشر و اشاعت اور سر بلندی کے لیے ہر قسم کے ممکن و مفید اور مؤثر و داعی و اسباب تو اختیار کرے، لیکن ایسے انداز سے کہ جو شخص بھی متانت کے ساتھ اسلام کی معقول اور فطری تعلیم کو سنئے اور پڑھے تو اس پر فروغ دے اور گرویدہ ہو کر حلقہ تجوش اسلام ہونے پر اپنے کو مجبور پائے اور اس کا دل اور ضمیر اس کو قبول کرنے کی پُر زور اپیل کرے۔ دعوت و تبلیغ اور نصیحت و موعظت کا یہ مبارک کام اگر اسی نج پر جاری رہا تو ریت کے ڈھیر کے اندر سے پوشیدہ فولعی ذرات کی طرح عمدہ صلاحیت کے مالک خود بخود اُڑ اُڑ

① اس مقدس فریضہ کی پہلی کڑی تو الحکمۃ ہے۔ یعنی نہایت بخیر، مضبوط اور محکم مضامین اور روشن تر دلائل اور واضح ترین براہین کے ساتھ ناصحانہ اور حکیمانہ انداز سے سمجھے ہوئے اور نہایت مؤثر طریقہ سے مخاطب کو حق سمجھایا جائے اور اسلام کے عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات وغیرہ سے اُسے روشناس کرایا جائے اور عزم و ہمت کے ساتھ اس کو ہر طرح سے اطمینان دلایا جائے تاکہ اسلام کے محکم اور فطری عقائد و اعمال اور موعود و مناسبات و اخلاق و معاملات اس کے سویرے دل میں اتر کر بیوست ہو جائیں۔ جن کو سن کر ہر عاقل و فہیم اور علمی ذوق و شوق رکھنے والا بشرطیکہ وہ حق کا متلاشی بھی ہو، سر تسلیم خم کرے، اور وہ اچھی طرح یہ محسوس کرے کہ دنیا کی مختصر اور موبہوم منطق اور خیالی فلسفے وحی الہی کے مقابلے میں نہ تو ٹھہر سکتے ہیں اور نہ صرف گیری کر سکتے ہیں اور اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ حق و تلقین اور تبلیغ و تلقین کے اس مرحلہ پر افہام و تفہیم کے اس مؤثر اور معقول ذلیعہ سے کچھ سعید و معین ضرور متاثر ہوں گی اور خسران و نامرادی کی راہ سے ہٹ کر فلاح و سعادت کی تلاش و جستجو میں ریاحین کامیابی اور لبائین کامرانی کے صراط مستقیم پر ضرور گامزن ہوں گی اور اس فوری اور آنی انقلاب کے بعد خلافت اسلام کی عقیدہ اور عمل کو سننے کی طاقت ہی وہ اپنے اندر نہیں پائیں گی اور غیر اسلامی زندگی سے انہیں ایسی نفرت ہو جائیگی کہ مہربان اور شفیق مال اور باپ سے بھی وہ کفر و شرک اور بدی کی کسی بات کو سننا گوارا نہیں کریں گی اور ایسی ہر غلط بات کو وہ یہ کہتے ہوئے ٹھکرادیں گی کہ اب تو ہمارے کالوں میں اس کے لیے قوت، شلوائی ہی باقی نہیں رہی کہ شمشیر ہتی اگر اسلام کا عشق و محبت ان کو اس امر پر مجبور کرے کہ وہ ماوریت کی تہ بہ ظلمت اور

کر مٹا دیں حق و صداقت سے آملیں گے اور مرکزِ رشد و ہدایت کے گرد جمع ہو کر گہنی دیوار اور ستارہ سبکدوشی ثابت ہوں گے۔ حق پرستوں کی یہ مخلص جماعت سلسلہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار محسوس ہوگی کانتھمہ بُنیاناً متروک و موقوف۔ اور اس دیوار سے ٹکرائے والا خود پاش پاش ہو کر فنا ہو جائے گا۔

شعلہ بن کر چھوڑک سے خاشاک غیب اللہ کو
خوف باطل کیا کہ ہے غارت گر باطل بھی تو

حکیم علی الاطلاق، مالک کائنات اور رب ذوالمنن نے تبلیغ اسلام کا جوا حسن طریقہ اور اس کے درجات بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں کہ:-

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ دَعْوَتِ مے اپنے رب کی راہ کی طرف مضبوط
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِ وَهُمْ
يَا أَيُّهَا أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الزَّامُ مے ان کو جس طرح بہتر ہو بیشک
أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ تَرْتِيبِ بہتر جانتا ہے ان کو جو گمراہ ہوئے
أَعْلَمُ بِأَلْسِنَتِهِ اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے ہدایت
(سپلہ - النحل ۱۶)

یعنی جب اسلام کی تبلیغ و دعوت کا بہترین اور عمدہ فریضہ انجام دیا جائے تو اس کے لیے ان تین ذریعہ اصول و قواعد کی پابندی اور التزام از بس لازمی اور ضروری ہے اگر ان ضوابط کو پیش نظر نہ رکھا گیا تو بہت ممکن ہے کہ اس مقدس اور پاکیزہ فریضہ کے لیے سخت دشواریاں اور بے حد رکاوٹیں پیدا ہوں اور بجائے فائدہ کے نقصان اور بجا کئے کشش اور جاذبیت کے تنفر پیدا ہو۔

۴ شاید کہ اتر جاتے ترسے دل میں میری بابت

ایسے حق پسند لوگوں کے دلوں پر ہلکا سا پردہ ہوتا ہے جو انہی اور آفاقی دلائل اور بیانات دیکھ کر اور حسی اور معنوی طور پر الموعظة الحسنہ سے مستفیض و مستفید ہو کر ساعران فرعون کی طرح دجن کے قلوب پر کفر و جود کا خفیت سا پردہ تھا۔ مگر عصائے موسیٰ کا خدائی کرشمہ دیکھ کر وہ پردہ نازل ہو گیا اور بخود اتر جاتا ہے۔ پھر ان کو تختہ دار اور فرعون کی قسم کی دہکیاں دنیا کے ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز کر دیتی ہیں اور اپنے دل و جان ظاہر و باطن کو اسلام پر نثار و قربان کرنے کے لئے جان عزیز کو بھیلی پر لیے پھرتے ہیں اور وہ ہر صیدت اور صعوبت کو یکے سے ہوئے خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہیں کہ لَنْ يَفْزِنَا اِلَّا مَا كُنْتُ اللّٰهُ لَنَا۔ یعنی عی ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہو

۵ جلال احسن

اس پاکیزہ فرض کی آخری منزل و جہاد ہے بِالنَّبِيِّ هِيَ احسن ہے کہ جب دعوت حق کا منادی اور مبلغ اسلام اچھی طرح یہ محسوس کر لے کہ یہ پہلی جنگ کردہ دونوں صورتیں اور منزلیں اس سرکش اور متروک کے لیے سود مند ثابت نہیں ہوئیں اور وہ اپنی فطرت بد اور سوء استعداد کی وجہ سے بکشت و مباحثہ بلکہ مکابرد و مجاہدہ کے لیے آمادہ ہے تو وہ اس تسیری شوق کو اختیار کرے اور اس ناپائدار اور فانی زندگی میں ہمیشہ سے کچھ لوگ ایسے بھی رہے ہیں اور بظاہر تاقیامت رہیں گے۔ جن کا مقصد وحید پر جمیع اور سیدھی سادی بات کو اُلجھانا اور ہر چیز میں کٹ حجتی اور کج سمجھی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ یہ معاند و باغی نہ تو حکمت اور دانائی کی باتیں

ناریکی سے نکل کر روحانیت اور عالم بالا کی طرف ایک جست لگائیں اور اپنی سابق بے ہوش و ناکارہ زندگی پر اُلٹو بجاتی ہوئی یہ کہیں کہ

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

۶ اس مبارک کام کا دوسرا مرحلہ الموعظة الحسنہ ہے کہ ایسے مؤثر اور وقت انگریز طریقہ، بہترین اور عمدہ امثال، بیش بہا اور خوش آئند وعظ و پند، عبرت آموز واقعات اور ترغیب و ترہیب کے ذریعہ اُس کے کانوں میں آواز حق پہنچائی جائے جن میں دوسری اور نرم غصی کی روح بھری ہو اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ لیس اوقات صحیح اخلاص و ہمدردی، شفقت اور حسن اخلاق کا اعلیٰ برتاؤ پھر دل کو بھی موم کئے بغیر نہیں چھوڑتا جس سے مردہ رو میں زندہ ہو جاتی اور دلوں کی اچھڑی ہوئی بستیال دفعۃً آباد ہو جاتی ہیں اور بعض طبعیں تو ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر ساحل مرا کی طرف بیتابانہ دوڑنے اور پیہم سعی کرنے لگ جاتی ہیں اور خصوصاً وہ لوگ جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی و فہیم نہیں ہوتے لیکن طلب حق کی دلی ہوئی چنگاری اپنے سینہ میں رکھتے ہیں، ان کو ایسے دلکش ماکوت اور رقت آمیز وعظ و پند سے ایسا بہتر اور جلدی فائدہ حاصل ہوتا ہے جو کسی عالم ربانی کی بلند اور عالی پایہ عالمائے تحقیق کے ذریعہ ممکن نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو بلند پایہ اور جمیع مثالوں کے ساتھ ہی تسلی حاصل ہو سکتی ہے، اور وہ ٹھوس اور تدبیری واقعات اور حالات کو سن کر ہی اسلام اور اسلامی زندگی کے ساتھ مانوس ہو سکتے ہیں اور اسی طریقہ سے اسلام کی صداقت اور سچائی کی روح اُن کے ذہن نشین ہو کر اُن کے دل میں اتر سکتی ہے بقول کسے

قبول کرتے ہیں اور نہ رقت انگیز اور زور و تلخ و غلط و پند ہی سننے پر آمادہ ہوتے ہیں بلکہ وہ انسانی اور امکانی کوشش کو بروئے کار لا کر حق سے گریز اور پہلو ہٹاتی کرتے ہوئے بقول شخصہ "خوئے بد را بہانہ جائے بسیار" ہر بات میں بے جا بحث و مباحثہ کا رنگ اختیار کرتے ہیں اور بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اہل فہم و انصاف اور صاحب تقویٰ و دیانت اور حق کی طلب و جستجو کرنے والوں کو بھی کچھ سطحی قسم کے شکوک و شبہات گھیر لیتے ہیں اور وہ ان میں الجھ کر رہ جاتے ہیں کہ بدوں بحث و گفتگو کے ان کا اطمینان نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کے لیے ارشاد ربانی یہ ہے کہ "بلغ اسلام ان کو فراموشی اور وسعت قلبی کے ساتھ موقع ملے تاکہ ہر محال اپنے باطل مانگا پر زعم خویش جملہ عقلی اور نقلی دلائل و براہین پیش کر دے اور ہر قسم کے شکوک و شبہات کو بلا تردد و ظاہر کر دے تاکہ اُس کے دلائل کی کائنات اور ان کا طعل و عرض اور عنق بھی بیک نگاہ دیکھ لیا جائے۔ پھر داعی سبیل رب غیظ و غضب اور غم و غصہ سے بے نیاز اور بالاتر ہو کر عالی حوصلگی اور وسعت ظرف کے ساتھ ایک مہربان باپ ایک شفیق مال ایک ہمداد و ایک خیر خواہ حکیم و داکٹر اور ایک ہی خواہ جراح کی طرح خود اُس روحانی بیمار کی بیماری اور علالت کے اصل اسباب و علل پر دجواس کے زعم و فہم میں دلائل و براہین سے موسوم ہیں) ہاتھ رکھ کر اُس کی نبض دیکھے اور اس کی بیماری کے مرکزی نقطہ کو کہہ کر معقول طریقہ پر اُس سے تباہ و خیالات کرے۔ اور تہذیب و شائستگی، حق شناسی اور انصاف پسندی کے عمدہ اصول کو پیش نظر رکھ کر نہایت خوش خلقی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اُس سے بحث و مباحثہ اور احسن پیار میں اُس سے مجاہدہ کرے اور اس کی ایک ایک مزرعوم عقلی و نقلی دلیل کا تار و پود اس کے

پس مبلغ اسلام اور داعی سبیل رب کا یہ اسلامی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ

سامنے بکھیر کر رکھ دے، اور اُس کی نامعقول کج بحثیوں کی دجھیاں فضائے آسمانی میں اڑائے اور ایسے عمدہ طریقہ سے اس کے فرسودہ براہین کے پختہ اُدھڑے تاکہ اُسے مروت و جواب ہو کر فیہمک الذی کثر کاسماں خوب اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آجائے اور اس شکست فاش اور حیرت کے بعد بشرط انصاف و دیانت وہ اپنے باطل عقیدہ اور ناکارہ عمل کو ترک کرنے اور اسلام کے قطعی اور یقینی عقائد و اعمال کو قبول کرنے پر علمی اور تحقیقی طور پر مجبور ہو جائے اور اس کا دل اسلام کی حقانیت اور صداقت پر شہادت دے اور وہ ہر قسم کے شک و شبہ سے بے نیاز ہو کر حق یقین کے منہمک بلند پر پہنچ کر خود اپنی ہی زبان سے "لا ریب فیہ" کے الفاظ سے صداقت اسلام کا اقرار کر لے اور اقرار بھی اس عزم و یقین اور جزم و اذعان کے ساتھ کہ ہر قسم کے الزام و خیر طوفان اور ہر قسم کی جانی اور مالی تکلیفیں اور صعوبتیں اس کے پائے استقامت میں ذرہ بھر لغزش پیدا نہ کر سکیں اور اُس کے دیکھنے والوں کو بھی "قَالُوا بَشِّرْنَا اللَّهُ مَا كُنَّا عَمَّا كُنَّا" کی عملی تفسیر سمجھ میں آجائے۔ مگر یہ بات ہمیشہ پیش نظر ہے کہ اپنے درمقابل گو الزام دے تو بہترین اسلوب سے، خواہ مخواہ دل آزار اور جگہ حراش باتیں اور ترش و تلخ لب و لہجہ ہرگز نہ اختیار کرے جس سے درمقابل کی طبیعت میں بکاسے سلجھاؤ کے اُلجھاؤ اور بجائے قُرب کے بعد اور بجائے انابت کے اعراض اور بجائے محبت کے نفرت راہ پائے اور معاملہ بلا وجہ طول کھینچے۔ کیونکہ اصل مقصود تو افہام و تفہیم احقاق حق اور الباطل باطل ہے نہ کہ بد اخلاقی و بد زبانی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی۔ اَللّٰهُ مَشْهُدٌ۔

داعی کے سر جاتے اور بجاتے اس کے کہ وہ اس کا تعلق اور رشتہ رضائے الہی سے جوڑتا کہیں اس غلط کاری سے توڑنے کا موجب ہی نہ بن جاتے۔ ایسے ہی موقع پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وارو ہو سہتہ کہ :-

وَلَا تَقْسَبُوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسْبُوهُمُ اللَّهُ عَذَابًا بَئِيعًا
اور تم بڑا نہ کو ان کو جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں
اللہ تعالیٰ کے سوا دہرہ بتویر یہ کلمے کا کوہ ظلم
پر کمر بستہ ہو کر جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ
کو سب و شتم کرنے لگ جائیں گے۔

یعنی جب تم کسی غیر مذہب کے غلط اصول و فروع، باطل عقائد و اعمال اور بڑے اطلاق و رسوم کی تردید کرنا چاہو تو بڑے شوق سے کرو اور اس کو اسلامی فریضہ اور کارہوت کی نیابت سمجھ کر انجام دو اور دیگر اہل مذاہب کے باطل عقائد اور غلط انداز فکر پر ان کی کمزوری اور رکاکت اور ان کی غرابی و بطلان پر ٹھوس اور روشن دلائل اور برہان پیش کیے تحقیقی و الزامی دلائل پیش کرو اور ہر ممکن طریقہ سے انہیں غلطی پر آگاہ کرو۔ لیکن غیظ و غضب میں اگر تم کسی قوم و مذہب کے معبودوں اور ان کے پیشواؤں اور مقتولوں کی نسبت بغرض حقیر و اہانت اور بددولت و آزاری و جگر خراشی کوئی نام معقول اور مناسب اور بڑا کلمہ زبان سے ہرگز نہ نکالو اور نہ سب و شتم کا مکروہ طریقہ اختیار کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جوابی کارروائی میں "عقبت ختم شکست و من سرا" کو ہمیشہ نظر رکھتے ہوئے کہیں تمہارے معبود برحق اور رب ذوالمنن کو از روئے جہالت و عنایت اور از راہ عناد و غنا و گالیال جیسے لگیں۔ یادہ تمہارے قابل صدا احترام و تکریم مقتدا اور بزرگوں کی توہین و تدلیل پر کمر بستہ ہو جائیں اور نظریہ ظاہر اس کا

اپنے مذہب کو اسلام کے محاسن و فضائل سنا اور سمجھا کر امت مسلمہ کے اندر ملانے اور جذب کرنے کی پوری کوشش اور کما حقہ کادش کرے تاکہ اسے اپنے باطل عقائد و اعمال وغیرہ سے علیحدگی اختیار کرنا دشوار نہ نظر آئے اور اپنے خویش و اقارب بھائیوں اور عزیزوں اور والدین و اولاد سے عقیدۂ و عملاً جدا ہونے کو وہ اپنے لیے باعث صداقت سمجھے اور مسلمانوں کی بے پناہ اخوت و مہمروی اور مکارم اخلاق سے متاثر اور سرشار ہو کہ بلا تامل اسے فَاَصْبَحْتُ حُرّاً مِنْ عَمَلِهِمْ اِخْوَانًا کی تفسیر سمجھ میں آسکے اور وہ یہ محسوس کرے کہ جس مبلغ کی شکل و صورت کو میں سب سے بدتر سمجھتا تھا اب تو وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب و پیاری معلوم ہوتی ہے اور جس کو میں اپنا ذاتی اور اور مذہبی دشمن گردانتا تھا وہی تو میرا مخلص خیر خواہ اور ہمدرد ہے اور محمود و جہالت کی بنا پر جس کی بات سننے پر میں آمادہ نہیں تھا، وہی تو آخر میرا گمراہ دوست اور مخلص رفیق ہے کائناتہ وَلِيَّ حَكِيمٍ جس کی بدولت مجھے حیات ابدی اور نجات سرمدی حاصل ہوئی ہے۔

فریق مخالف کے معبودوں کو سب و شتم نہ کرنا چاہیے۔

لیکن یہ اس پر بھی واضح ہے کہ اس تمام بحث و نظر اور گفتگو و دعوت میں مبلغ اسلام اپنے مذہب کے معبودان باطلہ اور مضر عوم مقتداؤں کی اس طرح توہین و تذلیل اور طعن و تشنیع نہ کرے کہ وہ مذہبی جنون اور ضد میں اگر خالق کائنات اور علم بران صداقت کی شان اقدس اور رفیع میں گستاخی و بے ادبی کرنے لگے اور اس کی بجائی اور مضر انداز گفتگو سے غلط تاثر لے کر وہ راہ راست سے منحرف ہو کر کفر و جحود پر بضد اور مصر ہو جائے اور قبول حق سے ہمیشہ کے لیے وہ باز ہے۔ جس کا وبال شاید کہ

نذیر اور وسیلہ تم بنو، کیونکہ تمہارا موقع تو اپنی زندگی کے ایک ایک گوشہ میں شروع سے اخیر تک ہر مرحلہ اور ہر منزل میں سہل انگاری، نرم خوئی، رقت انگیز اور دل آویز طریقہ سے تبلیغ و تلقین اور نصیحت و موعظت کا بہترین فریضہ ہے، اندک سب و شتم اور شر و فساد کا منجوس بازار گرم کرنا اور تمہارا کام تو شفقت اور الفت کو محفوظ رکھ کر اقوام عالم کو بشارت و خوشخبری سنانا اور پیاد و محنت کے ساتھ دین اسلام کی دعوت دینا ہے نہ کہ کہنے سوچ کر دار و ترش گفتار سے ان کو دین اسلام کے چشمہ رشید و ہدایت اور منزل فوز و فلاح سے برگشتہ اور متنفر کرنا۔

نرمی کرو، سختی نہ کرو۔

اور ایسے ہی مقام پر حضرت رحمۃ للعالمین نذیر للعالمین اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فیض رسال سے یہ ارشاد صادر ہوا ہے (جو اس قابل ہے کہ آپ سے لکھا جائے کہ)۔

بَشِّرُوا وَلَا تُنْفِرُوا وَيُؤْتُوا
لَوْعَسْتَرَوْا (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

تم لوگوں کو بشارت سناؤ اور متنفر نہ کرو۔ اور نرمی کرو اور سختی نہ کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ (المتوفی ۶۴ھ) سے مروی ہے کہ ایک گنوار دیہاتی اور عربی آیا اور اُس نے کھڑے ہو کر مسجد میں پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے اس کی اس نامعقول حرکت پر اُسے مورد طعن و ملامت بنایا لیکن جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو نہ روکو، پیشاب کرنے دو دیا تو اس لیے کہ کہیں پیشاب روکنے کی وجہ سے بیمار ہی نہ ہو جائے اور یا بھاگتے بھاگتے ساری مسجد کو پلید نہ کر دے اور جس جگہ اس نے پیشاب کیا ہے، وہاں ضرورت کے مطابق

چند ڈول پانی بہا دو جس سے جگہ پاک ہو جائے گی۔ پھر آپ نے صحابہ کرام سے یوں خطاب کیا۔

فَاذْهَبُوا بَعَثْتُمْ مَبْعُوثِينَ وَلَا تَمُوتُوا زَمَنِي كَيْلَ يَحْيِيَهُمْ كَيْلَ يَحْيِيَهُمْ كَيْلَ يَحْيِيَهُمْ
تَبَعُوا مَعْشَرِينَ (بخاری ج ۳ ص ۳۵۹ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۳۲)

کہ تم تو زنی کے لیے بھیجے گئے ہو نہ کہ سختی کے لیے۔

اور حضرت انسؓ (المتوفی ۶۳ھ) کی روایت میں ہے کہ آپ نے اُسے بلا کر نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھایا کہ۔

انما هي لذكر الله والصلوة و
قراءة القرآن (الحديث)

مسجد میں تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز اور تلاوت قرآن کریم کے لیے تعمیر کی جاتی (مسلم جلد ۱۳ ص ۱۳۵ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۲)

حضرت معاویہ بن الحکم السلمیؓ (المتوفی ۴۰ھ) کما فی الکمال ص ۱۱۰ (وفیہ نظر) فرماتے ہیں کہ مجھ پر مسلمان ہونے کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا (انی حدیث عہد بجاہلیہ)

کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ایک شخص نے اثنائے نماز میں چھینک ماری تو میں نے نماز ہی میں سیر نخک اللہ کہہ دیا۔ لوگوں نے نماز کے اندر ہی زجر و توبیخ کا سلسلہ شروع کر دیا اور انھیں نکال نکال کر مجھے ڈانٹتے رہے اور زور زور سے اپنی رافوں پر مارتے رہے۔ میں بھی طیش میں آگیا اور دل نے چاہا کہ میں بھی کچھ کھوں مگر میں خاموش ہی رہا۔ جب نماز سے فراغت ہو چکی تو جناب پیکر عفو و کرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور ایسے ملکہ طریقے سے سمجھایا جس کا خاکہ خود حضرت معاویہ بن الحکمؓ کی زبانی یہ ہے۔

آخری مرحلہ بائیکاٹ

اور اگر کوئی ضدی، سرکش اور ہٹ دھرم الحکمت، الموعظۃ الحسنۃ، الحدال بالقی ہی احسن کے اولیٰ مرتبہ اور براہین واضحہ کے سن اور سمجھ لینے کے بعد بھی ہلاکت انگیز انجام اور ابی تباہی و بربادی کے عمیق آتشکدہ میں کشاں کشاں جا رہا ہے اور اپنے کفر و شرک، انکار و تجوّد اور سرکشی و تمسوسے باز نہیں آتا اور حق و صداقت کی پرمغز اور بھٹوس دعوت کے جواب میں دانش و بصیرت کی تمام ممکن راہوں، ترک کر کے جلا دلیل و حجت، انکار اور یکسر انکار پر تکا ہوا ہے اور حق و صداقت کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت، اور مصالحت کا کوئی شائبہ اور شاہدہ اُس میں نظر نہیں آتا اور وہ منافقت اور معاندت کی تاریک چار دیواری میں محصور ہو کر باطل کو حق پر اور کفر کو اسلام غالب اور منصور کرنا اور دیکھنا چاہتا ہے اور اپنے تصلب و تعصب کے نشہ میں بدست ہو کر بہت پذیری اور حق پسندی کی تمام فطری صلاحیتیں کھو بیٹھا ہے، اور سرکشی و غواہی کے نام پر اور عواقب شر سے یکسر بے خبر اور بے پروا ہو کر دلائل ساطعہ سے اُس کی آنکھیں اور صدائے حق سے اس کے کان محروم اور مسدود ہو چکے ہیں اور انکار و کفر کی مٹرائیں اسے دل پر ثبت ہو چکی ہے اور سامان رشد و ہدایت کی تمام وسیع اور گشاہ راہیں اُس نے اپنے اوپر مسدود کر لی ہیں اور اس کی تمام خدا داد عقلی قوتیں، اس کی بدکرداری اور شرانگیزی کی وجہ سے مفلوج ہو چکی ہیں تو اس کے لیے صرف ایک ہی راستہ باقی رہا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسے صاف، صریح اور غیر مبہم الفاظ میں کہہ دو کہ تم اپنی راہ سے ہٹ جاؤ اور ہم اپنی راہ پر گامزن ہیں تم اپنے طریق پر عمل کرتے جاؤ اور ہم اپنے طریق پر عمل پیرا ہیں۔

لیکن دین پر قائم رہو اور ہم اپنے دین پر قائم و دائم رہیں۔ لکھو دینکھو دینی دین۔

فیابی ہوا می مارایت معلما قبلہ
ولا بعدہ احسن تعلیماتہ فواللہ
ما کہرفی ولا ضررینی ولا شغتی
مسلما جاسدا - البوعوانہ ج ۲ ص ۱۸۱
و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۱
میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں میں
نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسے بہترین طریقے
پر تعلیم دینے والا کوئی اور نہیں دیکھا بخدا
تو آپ نے مجھ پر سختی کی اور نہ مارا اور
مجھے بُرا کہا۔

بتلخ اور معلم کا جو عمدہ نمونہ ان صحیح احادیث میں قوی اور عملی طور پر جناب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا ہے، کیا ایک مثلاً شری حق اور منصف مزاج کو گرویدہ
بنانے کے لیے کافی نہیں؟

انہی زریں اصولوں کے تحت یہ عالمگیر اور سچا مذہب دنیا کے چپے چپے پر پھیلا
ہے جس سے انسانیت کے خشک پتوں میں جان پڑ گئی اور روحانیت کے مرجھائے
ہوئے پھولوں میں از سر نو تازگی اور شگفتگی آگئی۔ توحید خالص کے شگوفے کھلتے رہے۔
اور سنت کی کیاں ممکن رہیں۔ قال اللہ وقال الرسول کی ٹھنڈی ہواؤں کے نفیس و
لطیف جھونکے شجر اسلام کی شاخوں میں لپک اور اعمالِ صالحہ کے پھولوں میں جنبش
پیدا کرتے رہے۔ اخلاقی فاضلہ کے خشک چٹنے حیات تازہ کی جوئے رواں میں تبدیل
ہو گئے۔ جمہوریت اور عرانیات کے سبزہ باہال میں پاکیزگی و لطافت پیدا ہو گئی اور تہذیب
و تمدن کے پرمردہ پھولوں پر موسم خزاں ہی میں پھر سے بہار آگئی اور یہی اسلام
کی خوبی ہے ورنہ

بہار کے موسم بہار ہی اُبلتی ہے
مردہ تو جب ہے خزاں میں بہار پیدا کر

گروہی اور رہن رکھ دو بلاخر ایک دین ایسا ہی ضرور آنے والا ہے جس میں حقیقت
خوب نکھر کر سامنے آجائے گی اور سہ

لوقت صبح مشق ہو، ہجو روز معلومت

کہ باکہ باختر عشق در شب دیہجور

پس لے منکر حق و صداقت اُس وقت دیکھ لینا کہ ہمارا کاروان رشد و ہدایت
فوز و فلاح کی کس جودی پر جا کر نکلتا ہے، اور رحمت حق کی بے صوت صدا کس کو بکار
پیکار کر کلید کامرانی اور نوید شادمانی دیتی ہے۔ رخلاقت ربانی اور نمکین فی الارض کی
نورانی چادر فرشا صحرای کس کے لیے بکھیتی ہے اور صوبہ اذان کی شمیم جاں نواز نسیم
صبح گاہی کے غیر محسوس جھونکوں کے ساتھ فضائے عالم کو کس کے لیے معطر کرتی ہے؟
اور باوجود ظاہری بے سرو سامانی کے کس کے اشارہ ابرو سے دنیا کی سلطنتوں کے
نقشے بدلتے ہیں اور سلاطین عالم کے زبرجدی کے تخت اور ان کا بڑھنا ہوا اقتدار
ترو بالا ہوتا ہے اور کس کے لیے ان کی مہیب اور مولناک طاقتیں جو آراستہ
سامانوں اور رشک فرودس ایوانوں، منظم اور کثیر فوجوں کے بل بوتے پر کھڑی ہیں
زیر و زبر ہوتی ہیں؟ اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ جب روحانی سلطنت و
حکومت جلوہ گر ہوتی ہے تو تمام مادی حکمرانیاں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی
ہیں۔ آخر کمال ہے وہ قوم جس نے اَمْنٌ اَشَدُّ مِنْ قُوَّةٍ کا منجبرانہ اور باغیانہ
نعرہ بلند کیا تھا اور کمال ہیں وہ فوق العادۃ صنائع کی توہمہ اور دراز قد قوین جنہوں
نے پیادوں کو موم کی طرح تراش تراش کر ان میں محل و قصور اور بیوت مسکن
بنائے تھے؟ کہاں ہیں وہ صاحب اقتدار قوین جو تاج و تخت کے جبروت

کے ساتھ اُفتی عالم پر چمکیں اور اپنے اقتدار کا سکہ اور لوہا منوا کر دنیائے رولوش ہو
گئیں؟ اور کمال ہے یونانیوں اور کلدانیوں کی منطق و فلسفہ کی وہ قوت و شوکت جس
نے صدیوں قلوب و اذنان پر استیلا قائم رکھا؟ اور کمال ہے قیصر و کسریٰ کی حریت
انجیز طاقت و سطوت جس کے نام سے دنیا بھر ترقی تھی کیا آج سطح ارض پر یکیں اُن کے
وجود اور جسم کا کوئی احساس کیا جاسکتا ہے؟ یا کوئی اونی ساقش قدم بھی ان کا پستہ
دینے والا ہے؟ هَذَا تَحْسُتٌ مِنْهُمْ مَبْنٌ أَحَدٌ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رُكْنًا
(سپت - مریم - ۶۰)

پس لے منکر توحید و رسالت اور لے جاحد مشر و نشر اور لے باغی قرآن و
حدیث! ملاحظہ کر لینا کہ فتح و نصرت کس کے حصہ میں آتی ہے اور مسرت و خوشی کے
شادیائے کس کے لیے بکھتے ہیں؟ مگر یاد رکھنا کہ ارشاد خداوندی تو یہ ہے :-
وَ اِنْ جَحَدْتُمْ نَا كُھْمُ الْغَالِبُونَ فوج تو ہماری ہی غالب اگر ہے گی۔

(۲۳ - الصافات - ۵۰)

اور معلوم کر لینا کہ عرش رحمن کے ارد گرد مقربین فرشتوں کا معصوم طائفہ اور گروہ
کس کے لیے استغفار کا زمزمہ تبریک پیش کرتا ہے اور سدرۃ المنہبی پر سنہری پروانے
و جد و سرور میں اگر کس کے لیے رقص کرتے اور کس کے لیے والہانہ اور عقیدہ مندانہ
استقبال کرتے ہیں اور محابہ کر لینا کہ ایمان و اسلام کا ابر کرم کس کی آنکھوں کا نور بن
کر بساط ارضی اور فضائے آسمانی پر چھا کر وَاللّٰهُ مُسْتَمٌ نُورٌ کا وجد آفرین منظوم پیش
کرتا ہے اور رگ کائنات میں روحانیت اور تقویٰ کی نبض حیات کس کیلئے پھر متوج
ہوتی ہے اور اندازہ کر لینا کہ نرم و نازک، خوبصورت اور خوب سیرت عوریں کس کے

لے غنّ مَخَالِدَاتُ فَلَا حَيْدُ كَيْشِ گیتی گانی اور طُوبَى لِمَنْ كَانَ لَدَا
گَنَّا لَدَا کے پر کثرت اور وجد آفرین نغمے بلند کرتی ہیں اور کس کے لیے شجرۂ طُوبَى پر
فَصِرَاتِ الطُّلُوفِ اور نازنین جھول جھولاتی ہیں اور آشکارا ہو جائے گا کہ جنت
فردوس اور ظہر برس کے درخت کس کو سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ کے زندگی بخش اور موع
افراز تھے پیش کرتے ہیں۔

غرضیکہ اے کفر و مجہود کے دلدلہ! تم بھی دنیوی اور اُخروی ضرر ان کے
منتظر ہو اور ہم بھی دنیا و عجبی کی فتح و نصرت اور کامرانی و شادمانی کے بے چینی اور
بے قراری سے منتظر ہیں۔

وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا
عَلٰی مٰکَانَکُمْ اِنَّا عَامِلُونَ ○ و
اَسْتَظْلُوا اِنَّا مُنْتَظِرُونَ (یسا۔ ہود۔ ۱)

مگر اے خاکی انسان! تو شرفِ انسانیّت کو کیوں فراموش کر چکا ہے؟ تیرے
پیہ تو ربِّ قدیر نے پئے معصوم فرشتوں کو بھی جھکا دیا تھا۔ تو اس محسن اور مہربان
آقا کے سامنے جھکنے پر کیوں آمادہ نہیں؟ اے غافل اور سرکش انسان تجھے معلوم
نہیں کہ جب توحیدِ خالص اور حکمتِ رب کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے تو سب
اصحابِ کفایت بھی عزت و شرف میں ان لوگوں کے دوش بدوش نظر آنے لگتے
اور جب آسمانِ توحید اور اتباعِ سنت کی بلند گھاٹی سے کوئی بد بخت و نامراد
اور شقی و ممنوس نیچے گرتا ہے تو ایک جلیل القدر نبی (حضرت نوح علیہ السلام) کا
محنت جگر اور نورِ نظر بیٹا اور دوسرے بلند مرتبہ نبی اور رسول (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کا بیٹا

ای قانونِ ایزدی کے تحت اہل نار کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اور جب خوش
نصیبی کا طالع خفتہ بیدار ہوتا اور قسمت کا ستارہ چمکتا ہے تو سرکش اور باغی فرعون کی
فیقہ نیات (حضرت اسیر) کے استقبال کیلئے بھی جنت کی حویں بے چین دے تاب نظر
آتی ہیں، اور جب عقیدہ کی پستی و ذنانت اور عمل کی شقاوت و نجاست کا غلبہ ہو جاتا ہے
حضرت نوح اور حضرت لوط جیسے جلیل الشان نبیوں کی بیویاں (واعلہ اور وادلہ)
ای جہنم کے عینِ آتشکدہ میں گر کر قتل اَوْحَدُ الشَّارِعِ الدَّاعِیْنِ کے حکم فیصلہ کی
سزاوار ہوتی ہیں۔ اے غافل انسان تو بھی کفر و مجہود کی اس غلط روش کا جائزہ لے اور
نور دیدہ بصیرتِ اندازہ کر لے کہ اس روش کا نتیجہ اور ثمرہ آخر کیا مرتب ہوگا؟ تو بہت
بانی سوچ چکا ہے، اب تو تیرے جاگنے کا وقت ہے، قافلہ جا چکا ہے اور تو چونکے
سے بھی رہا۔ آہ۔

کہاں کی نیند آگئی ہے یارب مسافرانِ روعدم کو
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے ہم ان کو جگا جا کر

انجام کار

اے منکر حق و صداقت! تو اب کس چیز کا منتظر ہے؟ کیا تو چاہتا ہے کہ قیامت
بیزاری سے آتش فشاں پہاڑ پھٹیں تو تو انھیں کھولے؟ ہولناک
اندھناک طوفان و سیلاب اٹھیں اور زمینوں کو غرقاب کر دیں تو تو دیکھ؟ دنیا کو تڑوا
نے والے حالات و واقعات رونا ہوں تو تو تڑپے؟ خورزیں لڑائیوں کے شعلے جھڑکیں تو تو
اے مسافر شدہ عمارتوں کے کھنڈروں، صرخہ سرخ خون کی ندیوں اور میدانِ کارزار میں
آتی ہوئی انسانی لاشوں کے تودوں پر تیری نگاہ پڑے تو تو سنبھلے؟ اٹھ ہوں اور میٹر دین

حقیقی میں مستغرق ہو کر محبوب حقیقی کے وصال اور اُس کی محبت و الفت کیلئے کیوں اپنے دل کو بے قرار و بے چین نہیں پاتا؟ اے متغافل انسان! تو بایں ازل زندگی پر کیوں اتنا نازاں ہے جس کو ایک دن جبر و اکراہ کے ساتھ چھوڑنا ہی ہے، اور حُبِ دُنیا میں تو کیوں اتنا الجھا ہوا ہے جو ایک سراسر بڑھ کر کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ اے مدہوش انسان! کیا تجھے الفت کے یہ تزلزلے سنائی نہیں دیتے کہ یہ تماشے جہاں اے بے خبر! تجھ کو مبارک ہو

یہاں دل داغِ حسرت سے بھر رہے دل لگی کیسی؟
جہاں گھر تھا وہاں قبریں، جہاں دل تھا وہاں شے
یہ ماتم خیز منظر سامنے ہے خوش دلی کیسی؟

ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا

کمل قلبی اطمینان اور صحیح عالمگیر اخوت اور یگانگت بغیر خالص ایمان کے ہرگز متصور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ایمانی اخوت سے وحدتِ خلق کا عالمگیر نظام اور تصورِ فردا سامنے آ جاتا ہے۔ مذہبی اور دُعاویٰ ارتقا کا آخری اور انتہائی مقام سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ تمام اقوام و ممالک میں ایمانِ خالص کی تبلیغ اور تکمیل ہو جس کی بدولت عالمِ انسانیت اپنی فلاح و مُراد کو پہنچے اور ہر فرد باوجود اختلافِ الوان و طبائع کے دنیا و آخرت کی کامرانی اور شادمانی سے بہرہ ور ہو اور چونکہ کجائ

ہموں کی سیاہ بلیوں، ٹانگیں و صوفیوں اور زم بلی گیسول کی مسموم فضاء سے تیرے ہوش و حواس مکدر ہوں تو پھر تو باز آئے؟ بند قول اور قولوں کے ہوش رہا دھماکوں اور گھن گرج سے ساری فضا پر ہول ہو تو پھر تو مٹنے، راکٹوں، جٹ، طیاروں اور میزائلوں کی ستم خیز آوازیں تیرے کانوں میں پڑیں تو پھر تو دلو راست پر گئے؟ ظالم اور درندہ اقوام کے ہاتھوں مظلوم و مظلوم قوموں کے بے گناہ خون کی نہریں سبائی جا میں تو پھر تو ہوش میں آئے؟ ہلاکت و خونریزی اور ظلم و ستم کے خونیں مناظر ایک ایک کر کے تیری آنکھوں کے سامنے آئیں تو پھر تو سر تسلیم خم کرے؟ اے غافل انسان! بنا تو سہی، کیا وہ صدمہ درد انگیز صدماتیں جو خود تیرے اندر سے نکلتی اور سلیطہ امنی کو تڑپا دیتی ہیں، تیری موعظت اور عبرت کے لیے کافی نہیں؟ اور تیرے بدن کے ایک ایک دو ٹکڑے سے ہویدا ہونے والی غیر مسموم آوازیں تجھے متنبہ اور ہوشیار کرنے کے لیے وعظ و پند کا دافر سامان بہم نہیں پہنچاتیں؟ اور تیرے دل اور نبض کی خفیت حرکتیں اور سانس کے مدھم تڑانے تجھے خالقِ کائنات کے سامنے جھکنے کی تلقین نہیں کرتے؟ اے عاقبت، نا اندیش انسان! کیا خود تیرے نفس میں منہم حقیقی کے بے بدل دروازہ پر سر نیاز ختم کرنے کے لیے قوی دلائل موجود نہیں؟ ارشادِ خداوندی تو یہ ہے کہ:

وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ - اور خود تمہارے اندر (دلیل موجود ہے) سو

(پڑا - الذاریات - ۱)

کیا تم سوچتے نہیں؟

اے نادان انسان! تو دُعاؤں کی لیلیٰ رستی کو دیکھ اور فرما دے کہ کئی اور شیریں نوازی سے عبرت پڑ جنہوں نے فانی عشق کے چتر میں متاعِ زندگی تک دے ڈالا اور بسترِ مرگ تک اپنے عارضی محبوبوں کے ہجر و جدائی میں نالاں رہے۔ تو کچھ

اور شرفِ انسانیت کو بدنام دھبہ لگایا۔ اور جس شخص نے غیر خدا کی عبادت اور بندگی کی اور دوسروں کو اس کی دعوت دی تو اس نے اپنی ساری محنت ضائع کر دی اور اپنے تمام اعمال کو اکارت کر دیا۔ جَحَطْتَ اَعْمَا لَهْمُ۔ اور یہ بالکل ایک نمایاں حقیقت ہے کہ کافر و مشرک بڑا ہی بے وقوف اور لاعقل ہوتا ہے کیونکہ وہ انسانیت کے بلند مقام سے تنزل کر کے چوپایوں بلکہ اُن سے بھی زیادہ ذلیل مقام پر پہنچ جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں اس سے بڑا اور شر پر اور کوئی نہیں ہو سکتا اور ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَوَلَّوْنَ (پ۔ البینہ)

اور جو لوگ سب سے زیادہ خالص ایمان پر قائم ہو کر دعوتِ ایمان پر زور دیتے اور کفر و شرک کو سب سے بڑا ناقابلِ مغفرت گناہ یقین کرتے اور بتاتے ہیں تو وہ یقیناً مخلوقِ خدا کے سب سے زیادہ ہمدرد اور خیر خواہ ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے شریف۔ اسی لیے ہی حضرت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ:-

اُولٰٓئِكَ هُمُ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ (پ۔ البینہ)

لہذا سب سے اہم کام ضروری تبلیغ اور نفع رسالِ عمل دعوتِ ایمان ہے کیونکہ کفر و شرک ایک بہت بڑا ظلم ہے جس کے سبب ابدی طور پر انسان جنت کی دائمی رحمت محروم ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی بلے پایاں رحمت سے محروم رہتا ہے۔ اور کسی وقت بھی اُس کی مغفرت کی توقع نہیں کی جاسکتی:-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اُس کو کہ اللہ کے ساتھ شرک کیا جائے۔ (پ۔ الشارح)

انفرادی و عمومی معصالح سے زیادہ قیمتی مقصد اور اعلیٰ غرض ہے اس لیے ایمان کا بنیادی عقیدہ جس کے سبب اللہ تعالیٰ کی دائمی خوشنودی اور ابدی رضا جوئی حاصل ہو سکتی ہے اور اسی پر نجاتِ انفرادی موقوف ہے ایک نہایت اعلیٰ ترین نصب العین اور فلاح داریں کے حصول کا واحد اور بے مثال ذریعہ ہے۔ کفر و جحود انسان کو دینِ دنیا میں ہر طرح ناکام و نامراد رکھنے والی منحوس ترین چیز ہے اور بغیر ایمان کے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے مل قبول نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو درجۂ قبولیت، کا کوئی ادنیٰ سا حصہ بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ بھلا سوچئے کہ جس درخت کی جڑ ہی سڑکھ گئی ہو، اس کے پتوں پر پانی چھڑکا کر خود پانی کو ضائع کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ بغیر ایمان کے اعمال صالحہ راکھ کا ایک بے وزن ڈھیر ہے جس کو کفر و شرک کی تند اور تیز آندھی اُن واحد میں اڑا کر بالکل نیست و نابود کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:-

مَثَلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡاۤ اِیۡنَ یَّهۡتَمُّۢمۡ اَعْمَالُہُمۡ
کَرۡمًا وَّ اَشۡجَثًاۤ اِیۡنَ السَّیۡۡغَۃِ
یَومَ حَاصِصٍ ط لَا یَعۡتَوۡرُوۡنَ مِثۡلًا
کَسَبُوۡا عَلٰی شَیۡءٍ ط ذٰلِکَ هُوَ الْعَمَلُ
الْبَیۡعُۃُ (پ۔ ابراہیم ۲)

اور یہ ایک بالکل کھلی حقیقت ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں بجائے ایمان کے کفر و شرک پھیلایا اور اُس مہربان اور رحمن خدا سے بندوں کا تعلق قطع کر کے مخلوق کو خدائی صفات کا حامل بنایا تو انہوں نے یہاں سول کو سر اسب کی طرف دوڑایا۔

پاک، ناطقاً مبرا اور تعیناً منزہ ہے لیسَ کہ مثلاً شیعہ۔ وہ ماں اور باپ سے بیوی اور اولاد سے، کھانے اور پینے سے، سونے اور اٹکنے سے فنا اور زوال اور ہر قسم کے نقص سے پاک ہے، نہ حضرت عزیرؑ اس کے فرزند ہیں اور نہ حضرت مسیحؑ اس کے بیٹے ہیں اور نہ فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں اور نہ اجار و رہبان یعنی مولوی اور پیر اس کے بیٹے ہیں۔ وہ اپنی تمام صفات میں بے مثل ہے۔ وہی عالم الغیب و الشہادۃ ہے اور وہی السَّبیح البصیر ہے اور وہی پلنے تمام کمالات میں نغز ہے اور وہی مبرا امر ہے اور وہی کارخانہ عالم میں متصرف ہے۔ الغرض موجود حقیقی تمام کمالات و اوصاف سے متصف اور تمام عیوب و نقائص سے مبرا اور ہر قسم کی حاجات سے پاک ہے۔ ساری کائنات اس کی محتاج ہے اور وہ المقدم ہے اور اگر کوئی عاصی و گنہگار فطرتِ صحیحہ کو کھو نہ چکا ہو تو ضرور اس کا متلاشی رہتا ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ اس کا ربط و تعلق قوی سے قوی تر ہو جائے اور اس کو مالکِ حقیقی کی رضا نصیب ہو اور وہ اپنی فانی اور ناپائدار زندگی کی رفتار صراطِ متقیم پر جاری رکھ کر تقرب الہی اور رضائے حق تک پہنچنے میں فائز المرام ہو سکے اور رحمتِ خداوندی توبہ گارنٹی دیتی ہے کہ گنہگاروں کو مایوسی سے ہٹا کر نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جہاں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم ہائے سیاہ کو تیرے عفو بندہ نواز میں

مگر افسوس کہ بہت کم لوگوں کو اس کا خیال ہے کہ صرف ایک ہی رب کی عبادت کر کے مقصدِ تخلیق کو سمجھیں اور ایمان کی جڑوں کو مضبوط کریں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر نگاہ جمائے رکھیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْإِنْسَ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (پاک۔ الزمرہات ۲) اور میں نے نہیں پیدا کئے جن اور انسان مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

کاش کہ اس مقصد و حید کی طرف بھی التفات اور توجہ ہو جائے جس کے لیے ہم دنیا میں پیدا کئے گئے ہیں اگرچہ کچھ بندگانِ خدا اس عظیم مقصد کے سمجھنے کے لئے کوشاں ہوتے ہیں مگر غافلوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے بقول شاعرؔ

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفۃ
اس کا جو دیکھیے توبہ نہ کم خیال ہے

ایمان باللہ

ایمان کی سب سے پہلی اور بنیادی کڑی ایمان باللہ ہے اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات، اُس کی صفات اور اُس کے افعال میں ہر جنسیت اور ہر لحاظ سے وحدۃ لا شریک نہ سمجھا اور یقین کیا جائے کہ وہ دُکد ہے مگر نہ الیا جس طرح دوست دوست سے دوستی اور محبت کرتا ہے۔ وحقاً ہے لیکن نہ اس طرح جیسے ماں اولاد سے شفقت کرتی ہے۔ وہ دُرُف و درجیم ہے پر نہ یوں جیسا کہ باپ اپنے بیٹوں سے رحمت و اُفت کرتا ہے۔ وہ ان تمام تشبیہات و استعارات سے بالکل

معمولی دوکان بغیر دوکاندار کے نہیں چل سکتی اور ایک ادنیٰ مکان بلکہ گلیاں اور چھوٹی پٹری
اسی از خود نہیں کھڑی ہو سکتی تو پھر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ زمین و آسمان اور عالم
ملوی و سفلی کا یہ اعلیٰ و اکمل اور بہترین نظم و نسق از خود بن اور چل رہا ہے اور کس طرح یہ
بان لیا جائے کہ یہ وسیع و حکم اور منظم کارخانہ بغیر کسی صانع حکیم کے چل رہا ہے یا اس کے
بنانے میں کوئی معتد بہ غرض اور مقصد پنہاں نہیں۔ یہ کیونکر تسلیم کر لیا جاتے کہ دنیا کی اس
عظیم الشان مشین کے بنانے اور چلانے والا اس کے پُر زور کو نہایت مضبوط ترتیب اور
سیاق سے جوڑنے والا اور ہزاروں برس سے اس کی حفاظت و نگہ رانی کرنے والا کوئی
نہیں؟ اور اس کا کیسے یقین و اذعان کر لیا جائے کہ سورج و چاند، ثوابت و سیارات
کا یہ حیرت انگیز انقلاب میل و نہار، صیغہ و شمار اور موسم ریح و غریف کا یہ نمایاں تغیر و
تبدیل زبردست حکیم و قدیر اور صانع و علیم کی کار سازی سے مستغنی ہے۔ اور یہ حکم اور اہل
نظام اور یہ تصرفات و تقابلات عظیمہ قدر مطلق کے دست قدرت کے بے پرواہی اور کون
ذی شعور اس باطل اور بے بنیاد نظریہ سے متفق ہو سکتا ہے، کہ یہ سب کچھ محض بخت و
اتفاق اور بے شعور طبیعت یا اندھے بہرے مادہ سے ظہور پذیر ہوا ہے؟ اس دُنیا میں بار بار
دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ جہاز جہاز سے گاڑی گاڑی سے، بس بس سے موٹر موٹر
سے اور ٹرک ٹرک سے بلکہ ٹانگہ ٹانگے سے ٹرک کا پاش پاش ہو گئے اور کئی قیمتی جانیں ضائع
ہو گئیں، شماروں کی نسبت ان کی تعداد اور گنتی کیا ہے؟ برائے نام اور محض صفر بلکہ
یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ چند ذرے ہیں اور وہ پہاڑ ہیں، یہ گنتی کے محصور قطرے ہیں
اور وہ ناپید اور گناہ مند یہ متعدد دسے چند نقطے ہیں اور وہ پورا جسم یہ شمار کے چند افراد
ہیں اور وہ غیر محدود ملت و انجن۔ مگر باوجود اتنے بڑے حجم اور وزن کے کوئی سیارہ

ہستی باری تعالیٰ کا عقلی ثبوت

ہم جب کسی مصنوع کو دیکھتے ہیں یا کسی ثقہ اور معتبر کی زبانی کسی محیر العقول صنعت
کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے تو اسے دیکھ اور سن کر نہ صرف یہ کہ ہمیں محض اس سے اس
کے صانع کا علم اور یقین حاصل ہو جاتا ہے بلکہ اس سے صانع کا مرتبہ جلالت شان اور
اس کی حکمت اور کمال کا علم و اذعان بھی ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔ ہم جب بھی کسی اعلیٰ
نقص اور عمدہ صنعت کو دیکھتے ہیں تو اس کو دیکھنے کے ساتھ ہی ہم پورے یقین اور
ثوق کے ساتھ اس نتیجہ پہ پہنچتے ہیں کہ اس کا صانع اور کاریگر اعلیٰ شان اور حکمت و فصیلت
کا مالک ہے اور ہمیں ادنیٰ اور گھٹیا درجہ کی صنعت سے ادنیٰ درجہ کے صانع اور کاریگر
کا پتہ چلتا ہے کوئی مصنوع چیز دُنیا میں ایسی نہیں بتائی جاسکتی جس سے متعلق کوئی
عقل مند اور دانا یہ تصور کر سکے کہ یہ از خود یا بلا واسطہ بن گئی ہے۔ بقول مولانا رومؒ

میچ چیزے خود بخود چیزے نشد

میچ آہن خود بخود تیغے نشد

کوئی کارخانہ بغیر انجنیر کے، کوئی جہاز اور گاڑی، کوئی بس اور موٹر بغیر
چلانے والے اور ڈرائیور کے اور کوئی طیارہ بغیر پائلٹ کے ایک لمحہ بھر کے لیے بھی نہیں چل
سکتا۔ اور اگر کوئی طیارہ وغیرہ بجلی اور اٹیم کی طاقت سے چلتا ہے تب بھی یہ یقینی امر ہے
کہ اس کو بایں وضع و ترکیب بنانے اور چڑھانے والا بھی ضرور کوئی ہے، اور ہر عقل مند کوئی
یہ جانتا ہے کہ یہ حیرت انگیز اور تعجب خیز کرمہ از خود ہی نہیں تیار ہو گیا۔ ایک

.....کی ایک ایک چیز پکار پکار کر صاف اس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہے کہ قدیم ہی سے کوئی عظیم و قدیر اور بلند و بالا ہستی ضرور ایسی موجود ہے جو ہم سب کی خالق، سب کی حاجت سب کی فریاد رس اور سب کی آمر و حافظ اور صاحب قدرت و عظمت ہے جس نے اپنے علم و قدرت سے اس کائنات کو نیست سے هست اور نابود سے بود کیا ہے اور زمین کا ایک ایک ذرہ اور ایک ایک تشکا جزا ان حال اس کی شہادت دیتا ہے۔
ہر گیارہ ہے کہ از زمین روید وحدہ لا شریک لہ گوید

القرض زمین و آسمان میں صرف وہی ایک خدا، ایک خالق اور ایک ہی مالک نہ مشرف ہے اور وہی باقی و حق ہے۔ اس کے سوا تمام اشیاء فانی اور زوال پذیر ہیں۔ اس کی ذات اپنی ازیست میں سب سے اول اور اپنی ادبیت میں سب سے آخر ہے اور ظہور و صفات میں مجبے روشن تر اور نمایاں اور خفا و ذات میں سب سے پوشیدہ تر ہے۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے۔
(دیکھو۔ المحدث۔ ۱)

الغرض عقلی طور پر ہر مجمع المزاج انسان کی فطرت میں یہ میلان و مرجحان پایا جاتا ہے کہ ایک نلویہ ہستی ایسی ضرور ہے جس کی طرف لازماً رغبت کی جاتی اور کی جاسکتی ہے۔ رغبت بھی ایسی کہ تمام رغبتوں سے فائق اور اسی سے خوف اور ڈر بھی ضروری ہے۔ خوف بھی ایسا کہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی ایسی مجبب و خوفناک نہیں۔ ہم اگر چہ اُسے اس دنیا میں غیانا دیکھ نہیں سکتے لیکن اس کی قدرت کے جتنے علائم اور نشانات ہم دیکھتے ہیں ان میں اُسی کا جلوہ نظر آتا ہے، جس کی نفعی پر ہزار جتنیں اور لاکھ دلیلیں بھی بالکل بے کار ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس کا بیان حقیقت ہمارے دائرہ اختیار سے بالکل باہر ہے۔

مشرق سے مغرب کی سمت بڑی سرعت اور تیزی سے جا رہا ہے اور کوئی مغرب مشرق کی جانب مباحث کر رہا ہے لیکن آج تک کبھی کہیں کسی ستارے کی دور سے سیارے کے ساتھ ٹکرائیں ہوئی اور نہ نظام کو اکب میں تباہی و بربادی کا یہ سلسلہ اور توڑ پھوڑ کا یہ ہنگامہ ہو رہا ہو ہے، یہ کب مسلم ہو سکتا ہے کہ ہزار ہا برس سے یہ مضبوط و محکم اور اٹل نظام شمسی و قمری یلی و ناری اور ماضی و معاشی بغیر کسی چلانے والے کے ٹھیک نظام پر چل رہا ہے، یا سب کچھ بے کار و بے فائدہ ہے اور اس کی کوئی غرض و غایت ہی نہیں کیا ان میں ایک ایک چیز زبان حال پکار پکار کر یہ نہیں کہہ رہی کہ دُنَا مَخْلُوقٌ هَذَا بَابُاطْلُ ذکر ہے ہمارے پروردگار تو نے کوئی چیز بے فائدہ پیدا نہیں کی۔ دور جانے کی ضرورت اور حاجت ہی نہیں، خود ہمارا ایک ایک عضو اور ایک ایک جوڑ پڑنے اندر لا تعداد حکمتیں اور بے شمار مصلحتیں رکھتا ہے۔ اس چھوٹے سے وجود کے اندر کتنی اور کیسی قوتیں اور طاقتیں ہیں، کبھی قوت سے ہم سمجھتے ہیں، کسی سے بولتے ہیں، کسی سے سنتے ہیں اور کسی سے دیکھتے ہیں، کسی سے چلتے ہیں اور کسی سے پکڑتے ہیں، کوئی قوت اس کے ہے اور کوئی قوت ہاضمہ ہے، کوئی عروق و عضلات میں خون پہنچا رہی ہے اور کوئی فضلات خارج کر رہی ہے۔ کوئی خون اور چربی بنا رہی ہے اور کوئی پیشاب و غلاطت تیار کر رہی ہے۔ اگر کوئی سمجھتا اور تسلیم کرنا چاہے تو اس کے لیے خود اس کے وجود ہی میں اس کے لیے عبرت و موعظت کے لیے بہترین مسلمان موجود ہے وہ وہی اَلْهَيْكَلُ الْاَعْلٰی تَبْعُوْنَ دِیْنًا۔ الذاریات ۱۱) لہذا ہم اس اقرار کے لیے مجبور ہیں کہ ہم ضرور کسی بڑے صانع کسی بڑے کاریگر اور کسی بڑے حکیم کی صنعت اور حکمت کا نتیجہ ہیں اور یہ اقرار و یقین صرف ہمارے ہی وجود تک محدود نہیں بلکہ اس دنیا

دل میں تو آتا ہے، سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے!

باری تعالیٰ کی ہستی کا نقلی ثبوت

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت عامہ کا بنیادی عقیدہ جاہل و عالم، عامی و عارف، ہر شخص کے دل پر حکم و بیش قبضہ جملائے ہوئے ہے اور کسی زمانہ میں دنیا کا کوئی حصہ اور خطہ ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس میں حق پرست لوگ اس عقیدہ اور یقین سے بے بہرہ نہ ہوں۔ تمام عقائد حقہ اور مذہب سماویہ کی خوشنما اور دلکش عمارت کا سنگ بنیاد ہی خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کی ربوبیت عامہ کے اعتقاد پر قائم ہے۔ انبیاء و کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور کتب سماویہ کا نزول وحی والہام اور عقل سلیم سب اسی اجمال کی تشریح و تبیین ہے۔ ہستی باری تعالیٰ کا یقین محکم اگر محض منطقیات و استدلال و احتجاج پر منحصر ہوتا تو جاہل قوموں میں ہرگز یہ نہ پایا جاتا بلکہ تزییب و تدن کے ابتدائی مراتب میں بھی اس کا کہیں وجود نہ ہوتا۔ حالانکہ واقعیات بلکہ اس کے خلاف ہے اور جملائے دلوں میں جس و ثوق و اطمینان کے ساتھ ہستی باری تعالیٰ کا یہ محکم عقیدہ اور یقین موجود رہتا ہے، وہ بسا اوقات علماء اور فضلاء کے لیے بھی قابلِ صد رشک ہوتا ہے اس لیے حقا اور یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ یہ تخم رش و ہلالت جو تمام آسمانی تعلیمات کا مبداء اور منہی اور تمام ہدایت ربانہ کا وجود محض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عہد ازل ہی میں بطور مشاق عام پوری فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں کھیر دی ہے تاکہ ہر آدمی

وحی والہام اور عقل و فہم کی آبیاری سے اس تخم کو شجرہ ایمان کی مضبوط جڑوں اور اعمال صالحہ کے ستقیم تنوں اور معاملات کی نازک اور پھلدار شاخوں اور اخلاق و مکارم کے دلاویز اور خوشنما پتوں اور رضائے ایزدی کے لذیذ اور شیریں ثمرات تک پہنچا سکے۔ اگر وجود باری تعالیٰ کا یقین اور عقیدہ محض عقل و نظر اور کتاب و استدلال پر ہی موقوف ہوتا تو اکثر انسان اس پر متفق و متحد نہ ہو سکتے کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ اکثر فکر و استدلال کو دکھا کر اشیاء اور بحث و مباحثہ کی خوشگنیاں اتفاق و یکجہتی کے بجائے اختلاف و آراء و تشکیکات افکار ہی پر منتج ہوتی ہیں اس لیے توحیدی طور پر یہ نیابت ہی ضروری تھا کہ فطرت انسانی میں دیگر فطری خواہشوں کی طرح یہ یقین اور عقیدہ بھی ازل ہی سے ودیعت رکھا جانا۔ تاکہ اس عالم میں ہر متلاشی حق اور منصف مزاج شخص اس سے بہرہ ور ہو سکے اور ربوبیت اور الوہیت کا یہ دقیق اور پیچیدہ مسئلہ ایک محقق اور چستان بن کر ہی نہ رہ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جمیع المزاج آدمی جس کو عقلی اور روحانی تندرستی حاصل رہی ہے، اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہا ہے۔ باقی ہے وہ افراد جو کبھی عقلی اور روحانی بیماری سے متاثر ہیں، ان کی بات ہی الگ ہے۔ ایسا ہی ایک لمحہ یہ کہتا ہے کہ میں خدا کا بالکل منکر ہوں خدا کا خیال جہالت ہے، خوف اور قوانین فطرت کی عام ناواقفی سے پیدا ہوتا ہے والعیاذ باللہ۔ (درا لیشین آف ریلیجیون ایکیڈمی پریس لکچر ۵، ص ۱۱۱ مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۷۰ء) مگر ان جیسے احمقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صفراوی بخار وغیرہ کا مریض میٹھی لذیذ اور خوشگوار دواؤں اور غذاؤں کو تلخ اور بضرہ بتانے لگے۔ ایسے لوگ انجام کار تندرست دنیا کے سنے بکھینا سب وقت آنے پر خود اپنی ہی نظریں بالکل دروغ گو اور قطعاً

کہ میں تم پر سات آسمانوں اور سات زمینوں اور خود تمہارے باپ حضرت آدمؑ کو گواہ بنانا ہوں تاکہ ۔

ان تقولوا یوم القيمة لعلہ یبہذا
اعلموا انہ لا الہ غیرہ ولا رب
غیرہ ولا تشترکوا فی شئیئنا فی سبیل
الیکم رسولی یدکرہ ونکرہ عہدی و
میشاقی و انزل علیکم کتبی قالوا
شہدنا بانک ربنا والہنا لا رب
لنا غیرک ولا الہ لنا غیرک فاقروا
بذلک (الحیث) نہ احمد و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸۷
و مستدرک ج ۲ ص ۲۸۷ قال الملک والذہبی صحیح
تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ دو کہ ہمیں تیری
رہبریت اور اُلوہیت کا کوئی علم نہ تھا سو
اچھی طرح جان لو کہ نہ تو میرے سوا کوئی حاجت
روا ہے اور نہ کوئی تربیت کرنے والا ہے
اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔ میں
تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا جو تمہیں
میرا یہ حمد و بیان یاد کرانے لگے اور میں
تمہارے اوپر اپنی کتاب نازل کر دوں گا۔
سب سے کہا ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں
کہ تو ہمارا رب اور الہ ہے، اور ہم اقرار
کرتے ہیں کہ نہ تو تیرے بغیر ہمارا کوئی رب
ہے اور نہ کوئی الہ ہے

اس عہد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رب ہونے کا اقرار کرایا ہے نہ کہ اب ہونے
کا۔ اور واضح الفاظ میں یہ بتایا ہے کہ وہ ربِّ العالمین ہے، البر العالمین نہیں اور
اسلام میں رب کا مرتبہ اور احترام اُس کے درجہ اور تعظیم سے کہیں بڑھ کر اور بلند ہے
کیونکہ باپ کا تعلق بیٹے سے صرف اتنی اور جسمانی ہوتا ہے۔ مگر رب کا تعلق
اپنے مرلوب سے اس کی پیدائش اور وجود کے اولین لمحہ سے لے کر آخری لمحہ

جبوٹے ثابت ہوتے ہیں یا جیسے کوئی بھیسکا ہو تو تسے ایک چیز کی دو نظر آتی ہیں کیونکہ
اس کی آنکھوں کی ساخت ہی ٹیڑھی ہوتی ہے۔ ایسے ہی روحانی بھیسکوں کو ایک اسلام
کے دو اسلام اور ایک قرآن کے دو قرآن نظر آتے ہیں ایسے ٹھکین کی بات ہی جدی ہے
اسی زلی عمد و میثاق کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح پیش فرمایا ہے :-

فَرَاذَ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ
مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ
عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۖ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ
قَالُوا بَلَىٰ ۖ شَهِدْنَا ۚ إِنَّكَ لَكُمُ الْقَيُّمُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا
غَافِلِينَ ○ (پ - اعراف - ۳۰)

اور جب نکالا تیرے رقبے بنی آدم کی پشتوں
سے اُن کی اولاد کو اور اقرار کرایا اُن سے اُن
کی جانوں پر کہ کیا میں نہیں ہوں تمہارا پروردگار
بولے کیوں نہیں؟ ہم اقرار کرتے ہیں۔ یہ
اقرار ہم نے اس لیے کیا تاکہ تم پر نہ کہے کہ قیامت
کے دن کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ ہمارا
بھی کوئی رب اور حاکم ہے اور ہم اس کے
احکام سے پابند ہیں

یہ عمومی اور مثالی میثاق جو عبداللہ میں اللہ تعالیٰ نے لیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن
عباسؓ کی مرفوع روایت کے مضمون کے مطابق نعمان کے مقام پر دو میدان عرفات
کے قریب ایک جگہ ہے) لیا گیا تھا اور سب کو باری تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی جیونیشوں
کی مانند اپنے سامنے کھڑا کر کے أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ سے سوال کیا تھا اور سب نے ایک
نہاں ہو کر بلی سے جواب دیا تھا۔ (منہ احمد و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۸۷)

اور حضرت ابی بن کعبؓ (الموتی سلمہ) کی موقوف روایت (جو حکم مرفوع
ہے) کے الفاظ کے پیش نظر جب سب نے بلی کہا تو رب العزت نے فرمایا

کے لیے گردنیں کٹوانا حیات ابدی معلوم ہوتی ہے اور اس کی خلاف ورزی میں عیش و آرام کی پرکھت زندگی بھی سرسبز موت دکھائی دیتی ہے۔ مگر یہ مقدم صرف اُنہی کو حاصل ہو سکتا ہے جس نے روح شریعت کو سمجھ کر مجاہدہ نفس کی منزلیں طے کی ہوں، کیونکہ سہ

ہزاروں منزلیں کر تے ہیں طے پانی کا ایک قطرہ
صدف میں تپ کہیں ہوتا ہے تابندہ گمبویرا

رہنمائی کا انکار کیونکر؟

اگرچہ معین اور دہریہ اپنے لیے خدا کا نام اور تصور پسند نہیں کرتے مگر ان احمقوں کے انکار سے اس کی رلوبیت پر کیا زور؟ ان کی محفل کی خامی دیکھئے کہ خدا اور الہ حقیقی کا تو وہ انکار کرتے ہیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں لیکن اپنے ہی جیسے انسان کو صدر مملکت اور وزیر اعظم وغیرہ کی موت میں اپنی جانوں کا مالک و مختار یقین کرتے ہیں جس کے حکم کے سامنے وہ سر تسلیم خم کرنے پر مجبور و معذور ہوتے ہیں اور جس کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ اور اشتیاق ان کے دل کو بے قرار اور ان کی روح کو بے چین رکھتا ہے۔ آخر کوئی نصب العین اور کشش قہرے جو ان کے قلب و دگر کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے، جسکی نشرو اشاعت کے لیے وہ جنگل اور پہاڑ کاٹ کاٹ کر خاک خاک اور گوشہ گوشہ کاچھو لگاتے ہیں اور کروڑوں بلکہ اربوں اور کھربوں روپے اس کے پروپیگنڈہ پر صرف کرتے ہیں اور اپنے معنوی رب کی توصیف و تعریف میں ہر وقت اور ہمہ وجہ وہ رطب اللسان رہتے اور ہر مجلس و

مجلس بلا انقطاع برابر جاری رہتا ہے اور اس فانی جہان کے بعد ابدی اور سرمدی جہان میں اس کی رلوبیت کا جو نظریہ ہو گا وہ ہماری سمجھ و ادراک سے بالاتر ہے۔ ہم کیا اور اس کے غیر محدود الطاف اور عنایات کیا؟

اسی انہی میثاق اور خدائی تعلیم کا یہ اثر ہے کہ اولاد آدم کے فطری، عقلی اور روحانی طور پر تندرست افراد ہر قرن اور ہر زمانہ، ہر گوشہ اور ہر خطہ ارضی میں جن تعالیٰ کی الوہیت و رلوبیت عامہ کا ایک مذہب اقرار کرتے ہیں اور آج بھی اس دور زندہ دالہ میں کروڑوں کی تعداد میں اس کی رلوبیت کا اقرار اور اذعان کرنے والے موجود ہیں اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جن لوگوں کو اپنے محبوب حقیقی کی محبت و رضائیں فنا میسر ہو جاتی ہے تو پھر یگانہ و یگانہ، مکروہ و محبوب کسا اذیتا ہی سرے سے ان کے دلوں سے اٹھ جاتا ہے اور دن بدن ان کی روحانیت ترقی پذیر ہوتی ہے اور انوار اللہ کی تجلی ان کیلئے بھرتی اور نکھرتی ہے اور رحمت خداوندی اپنی پوری وسعتوں کے ساتھ کھل اور کھل کر ان کے سامنے آتی ہے اور ایسے کاملین اور خدا رسیدہ حضرات کو یہ لال اور خیال کبھی نہیں آتا کہ دنیا ان کے بارے میں کیا سوچتی ہے؟ ان کی تمام محبت و شفقت، ہمدردی و سلوک اور تعاون و سازگاری کا صرف ایک ہی مرکز اور ایک ہی محور باقی رہ جاتا ہے اور وہ محض اپنے محبوب حقیقی کی معرفت و محبت اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے ہوئے طریقہ سے اسکی رضا جوئی مال و دالاد کا تو ذکر ہی کیا، اگر اپنے نفس کے ساتھ بھی ان کی الفت و محبت باقی رہ جاتی ہے تو وہ بھی صرف اُسی ہی کی خاطر۔ اس کی راہ اور رضائیں تمام قربانیاں شیریں بن جاتی ہیں اور اس کی ناراضگی میں سلی خوشیاں کاٹنے نظر آتے ہیں۔ اس کی خوشنودی

رضائے حق کی تلاش ایک فطری امر ہے،

اگر کوئی شورشِ بخت اور حمالِ نصیب عہدِ نازل کی اس صبحِ فطرت کو اپنے کسبِ ثمر اور ارادۂ سود سے جس میں وہ مختارِ رضا اور اسی پر مدارِ تکلیف ہے (ضائع اور امارت نہیں کر چکا اور اگر اس کے عمقِ قلب میں ہنوز ایمانی حرارت کے کچھ بھی آثار موجود ہیں اور اگر اس کی سعید رُوح قبولِ حق کی صلاحیت سے نمانوس نہیں ہو چکی اور اگر اس کا دماغ ماؤنڈ اور مغلوچ نہیں ہو چکا تو اس کی دل کی گھڑیوں سے بدبار یہ صدا اور نواز ٹٹے گی کہ مجھے اپنا خالق و مالک اپنے منعم و پروردگار سے (جس کی ربوبیت عامہ کا میں پہلے ہی سے علی رؤس الامماء بیکہ کر اقرار کر چکا ہوں) تعلق استوار رکھ کر اس کا قُرب اور رضا جوئی حاصل کرنی چاہیے اور اس کا دل اس امر کی پُر زور اپیل کرے گا کہ وہ اپنی اس ناپائدار اور فانی زندگی کی رفتار کو صراطِ مستقیم پر جاری رکھ کر اپنے تمام جذبات اور احساسات کو رضائے الہی کے تابع کرے اور وہ ہمہٴ قلب سے یہ چاہے گا کہ تقربِ خداوندی کے حصول کے لیے اپنے ذاتی خیالات و خواہشات، عیش و لذت اور اولاد و مال کی محنت و وابستگی رشتہ داروں سے تعلقات اور دیگر تمام رُحانات اور میلانات سے یک سو ہو کر ان میں سے ہر کاٹا بھی دامنِ گیر ہو اس کو جھٹک کر الگ کر کے وہ صرف ایک ہی رب کو راضی کرے جو سب کائنات کا پروردگار سب کا بادشاہ اور اللہ ہے جس کی نصرت و تائید اور رحمت و رأفت سے کسی طرح کوئی مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا اور وہ اپنے دل میں کامل یقین اور

مغل میں اس کے ترانے گاتے ہیں اور رومی تو نفسِ امّارہ کی بندگی اور طاعت تو کہیں نہیں گئی، ان کی بختی اور شوقِ قسمت دیکھئے کہ حقیقی اور برحق رب اور رؤف و مہربان خدا کے مقابلہ اور بدل میں ان کو یہ مختار، خود ساختہ اور تراشیدہ اللہ کیسے بھاگیا؟ اور کس طرح اس کی قبولِ جہلیاں اُن کے لیے فریبِ نظر اور تسکینِ عقل کا ذریعہ بن گئیں۔ قرآن مجید میں ایک مختصر مگر نہایت جامع مضمون جس و خوبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یوں بلیغ انداز میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے جس کی جامعیت پر حقیقت پسند دل و جہدِ آفریں دکھائی دیتا ہے اور وہ منکرِ خدا کی سیاہ اور تارِ یک پیشانی پر گوکبِ خوشنمہ کی طرح صاف چمک رہا ہے۔

اَرَاَيْتَ مَنِ اخَذَ اِلَهَهُ هَوَاهُ ط
اَجَانَّتْ تُكُلُنْ عَلَيْهِ دَكِيْنًا ○
(پہلے۔ الفرقان۔ ۴)

عز کیجئے کہ جس شخص اور قوم کا مزاجِ روحانی اس قدر بدل اور بھلا چکا ہو کہ اس نے اپنی خواہش کو اپنا اللہ، حاکم اور مطاع بنا دیا ہو کہ چہرہ اس کی خواہش اُسے لے گئی، اور صراحتی وہ جھک پڑا اور جو بات خواہش اور مرضی کے مطابق ہوتی وہی قبول کر لی اور جو عمل نفس کے موافق ہوا وہ اختیار کر لیا اور جو قول و عمل خواہش کے موافق نہ ہوا وہ رد کر دیا۔ آخر اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ یوں تو عہدِ میناق کے علاوہ بھی بیشمار جہتی اور محضوی دلائلِ خداوندِ عزیز کی اُلوہیت اور ربوبیت کے اثبات و اقرار پر موجود ہیں مگر شوقِ قسمت کا کیا کہنا ہے۔

سمجھ میں مسئلہ تو حید کو کہتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیجیے

میسٹر نہیں آتی۔ اگرچہ دیکھنے میں اُن کے پاس مال و دولت اور سامان عیش و عشرت کی کوئی کمی نہیں ہوتی مگر ان کا دل توکل و قناعت سے خالی ہونے کی بنا پر ہر وقت دُنیا کی مزید حرص و ترقی کی فکر اور کمپنی دولت کے اندیشہ میں بے آرام و بے چین رہتا ہے کسی وقت نانوئے کے پیر اور پچر سے ان کا قدم باہر نہیں نکلتا۔ موت کا خوف اور زوال دولت و ثروت کے خطرات الگ سوچاں رُوح جتنے بہتے ہیں اور ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ گزری اور بے راہروی کا موقع نظر آتا ہے اور عموماً ایسے ہی لوگ اپنی زندگی کے پرسکون اور طمانیت بخش دور اور ماحول کو فرعونوں، حق فراموشیوں ہرستیوں اور رنگ رلیوں میں گزار دیتے ہیں۔ تہذیب اور سرکشی کا کوئی پہلو اور کوئی گوشہ ایسا نظر نہیں آتا جو ان کے رگ و پے میں سراپت نہ کرے گا ہو اور ایسے حرص و آذ کے پھولوں کا بیٹ خاک گور کے بغیر اور کوئی چیز پڑ ہی نہیں کر سکتی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے کہ:-

وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التَّوْبُ ابن آدم کے پیٹ کو بختر خاک کا اور کوئی
 دیتوب اللہ علی من تائب شے چر نہیں کر سکتی ہاں مگر جو توبہ کرے تو
 (متفق علیہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴) اللہ تعالیٰ اس پر رجوع فرماتا ہے۔

اس دنیا میں قلبی سکون اور حقیقی اطمینان کسی کو بدول یا دالئی کے ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا مگر اس کی ایک اہم شرط بھی ہے کہ غ

ذوقی اس بادہ نہ دانی بخشد اتنا چشمی
 جب انسان کا دل عشق الہی، ذکر و رجن اور اس کے شوقی ملاقات
 کے درجہ تک خالی ہو جاتا ہے تو اس خالی مکان کو ابلیس اور اس کے چلے چائے اپنے لیے

نہاں سے اقرار کرے گا کہ مجھ مصائب و آلام کی تلاطم خیز لہروں اور شدائد و فواجب کی بلا انگیز لہروں میں صرف اسی ہی کی مدد اور معونت جس میں شایبہ ہوتی ہے اور وہ یہ عقیدہ رکھے گا کہ اس کی غفلت و کبریا کی اقرار اس کی تعظیم و احترام کا صحیح جذبہ اور اس کی اطاعت و حکم برداری کے لیے انقیاد و مستعار زندگی کا متاع عزیز اور شرف انسانیت کی اعلیٰ کڑی ہے اور اس کو یہ مان لینے میں ہرگز کوئی تاثر نہ ہو گا کہ مالک حقیقی جس کو جس حالت میں رکھنا مصلحت اور مناسب سمجھے وہ اپنی حکمت و علم کے موافق تدبیر کرتا ہے کسی کی کیا مجال ہے کہ اُس کے ارادہ کو روک یا بدل سکے یا اُس کی تخلیق و تقسیم پر حریف گیری کر سکے اور اس کا دل ہر طرف سے ٹوٹ کر صرف ایک خدا کی طرف جھکے گا جو اس کی ہر قسم کی دُنیوی وحشت اور گھبراہٹ کو دور کر دے گا اور یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ صرف یاد الہی دلوں کے اضطراب و بے چینی کو دور کر سکتی ہے اور اسی ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔

کیونکہ اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَقْلَمُتَيْنِ الْقُلُوبِ اٰخِرَ اَرْشَادِ رَبّٰنِیْ ہِیْ تُو ہے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حقوق بھلا دیئے اور اُس کی یاد اور عبادت سے غفلت اور بے پروائی برتی، ایسے غافل شعار انسانوں کو خود اپنی عزیز جانوں اور ان کے فوائد و مضرات تک کی خبر نہیں رہتی اور وہ ضلالت و غواہیت کے وسیع جھگلات و عمیق دلوں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ لَسُوْا اللّٰهَ فَاَنْتُمْ هُمْ اَنْفُسُھُمْ اور ایسے ہی غافل انسان اصلی زندگی اور اس کی تمام لطافتوں سے محروم ہو جاتے ہیں اور ایسے سوختہ بخت انسانوں کے دل سرد اور چین کی زندگی حاصل کرنے کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔

مگر ان کی شومی قسمت یاوری نہیں کرتی اور انہیں کہیں بھی چین و سکون کی زندگی

عبدالزلی کا نتیجہ ہر صحیح المزاج نفس کو یاد ہے

جہم میں تم میں قرار تھا نہیں یاد ہو کہ زیادہ بار مختلف زمانوں اور متعدد زبانوں میں یہ سوال اس میثاق پر وارد ہوا ہے کہ اگر واقعی ایسا کوئی عمدہ و پیمان اور میثاق ہم سے لیا گیا تھا تو جہیں اس کا علم ہوتا کہ کس وقت ہوا اور کس جگہ ہوا اور کس ماحول میں ہوا؟ بلاشبہ آج ہمیں یہ تو یاد نہیں کہ یہ اصولی اور بنیادی عمدہ و میثاق کا اقرار اور اس کی تعلیم کب کہاں کیسے اور کس ماحول میں دی گئی تھی؟ مگر ہر ادنیٰ سمجھ اور عقل والا آدمی اس کو بخوبی سمجھتا ہے کہ جس طرح ایک واعظ و مقرر، ایک انشا پرداز و ادیب اور ایک معلم و مدرس کو یہ کامل یقین ہے کہ جو الفاظ اس وقت میری زبان و قلم سے نکل رہے ہیں، یہ ضروری امر ہے کہ بہت سے عمریں کسی نے یہ الفاظ بولنے اور کہنے مجھے سکھائے ہیں جس کی تعلیم و تربیت اور استفادہ سے ترقی کر کے آج میں اس بلند مقام پر پہنچا ہوں کہ لوگ مجھ سے استفادہ کرنے اور انونے تلقین کرنے کو باعثِ عداقت و افتخار سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اسے یہ یاد نہ ہو کہ مجھے سب سے پہلا لفظ سکھانے والا کون تھا؟ اس کا لب و لہجہ کیا تھا؟ سکھانے کا وقت مکان اور دیگر خصوصیات مقامی کیا تھیں؟ میرے ساتھ کوئی اور بھی تھا یا میں صرف اکیلا اور تنہا تھا؟ امد اس وقت مجھ پر اس تعلیم کا کیا اثر ہوا؟ یہ اور اس قسم کے بیسیوں سوالات سامنے آتے ہیں جن کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا مگر اس تعلیم کے موجودہ آثار و نتائج سے یہ یقین کامل اور اذعانِ واثق پیدا ہو جاتا ہے کہ ایسی تعلیم ضرور واقع ہوتی ہے

الٹ کر لیتے ہیں اس لیے کہ ایسے بہترین مکان کا کدین سجالی رہنا خلافتِ عادت ہے۔ دل ہوا اور اس میں دردِ محبت کہیں نہ ہو۔ عبرت کا ہے عمل کہ مکالم ہو کیوں نہ ہو۔ اور شیطان ہر ختم کے وسوس اور خیالات کے ذریعہ اس کو بدی کے ملک اور خطرناک راستے پر لے جاتا ہے اور طرح طرح کے بزر باغ اس کو دکھاتا ہے جن شیطانوں کا نام کی الفت اور محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور شب و روز وہ اس میں غلطی اور پیچان رہتا ہے اور تعیش و تملذذ کی فانی زندگی کا دلدادہ ہو کر شیطان کا وفادار ایکٹ بن جاتا ہے۔ پھر اس پر ایک ایسا وقت آتا ہے کہ وہ معرفت کو گار اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی، دارین کی بجا و صلاح، دینی فہم و ذکا اور خدا شناسی اور خدا خوفی کے جہم جذبے سے یکسر محروم ہو جاتا ہے، اس کے لیے کوئی بدی بدی نہیں رہتی اور کسی نیکی اور کار خیر کا ٹک و بچران اس کے لیے باعثِ مذمت و شرمندگی نہیں ہوتا، ادبی حالت انسان کی سب سے زیادہ مضر اور ناکام حالت ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جب کوئی بد نصیب رحمان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے تو شیطان اس کا رفیق اور ساتھی بن جاتا ہے۔ وَمَنْ يَغْتَشِ عَنْ ذِكْرِ الْمُتَحَكِّمِينَ فَيَقْبِضَنَّ لَهُ شَيْئًا نَّاءً۔ ایسی مذموم زندگی کی جہنمی امد جس قدر بھی مذمت کی جائے اتنی ہی کم ہے، کیونکہ اس میں انسان شرفِ انسانیت کی رفعت اور بلندی کی اعلیٰ گھاٹی سے ایک ہی جگہ وقت اور محبت کے غارِ عین میں جا پھنسا ہے لیکن وہاں سے ہزار چھلانگ لگانے پر بھی اس کا کھن عادتہ محال ہو جاتا ہے اللہ کہ اللہ تعالیٰ و سنگیری فرمائے۔

اور کسی مذہب کی کوئی المانی اور آسمانی کتاب ایسی نہیں بتائی جاسکتی جس کو ہر اعتبار اور ہر حیثیت سے قرآن کریم کی طرح کامل اور ناطق کہا جاسکتا ہے۔ یہ قرآن کریم ہی ہے جس نے پہاڑوں کی طرح جگہ ہوئے لوگوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دیا۔ قلوب بنی آدم کی زمین کو پھاڑ کر اس میں معرفت الہی کے شیریں چشمے جاری کر دیے۔ وصولی الی اللہ کے دشوار گذار راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کر دیے۔ مردہ قوموں اور پڑھ مردہ دلوں میں ابدی زندگی کی روح چھینک دی۔ قرآن مجید معاش و معاد کا کامل ترین دستور العمل، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا جامع تر آئین ہے۔ انس و جن کی تہذیب و تزکیہ اور ان کی انفرادی و اجتماعی برتری اور سازگاری کا مکمل قانون ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کے لیے بغیر تخصیص زمان و مکان اور بدول لحاظ رنگ و نسل نہایت عمدہ متین اور جامع تعلیم پیش کرتا ہے۔ وہ جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات و صفات اور نبوت و معاد سے بحث کرتا ہے، اسی طرح وہ دیگر اصولی عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات اور تمدن و سیاست بھی اصولی اور عملی حیثیت سے بحث کرتا ہے اور زندگی کے کسی اہم اور قابل قدر پہلو اور گوشہ کو اصولی طور پر تاریخی میں چھوڑ کر اپنے متبعین کو متیر اور شذر نہیں چھوڑتا۔ قرآن کریم کی موجودگی میں کسی شخص کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اصولی طور پر کسی دوسری مشعل راہ کی مطلقاً کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی آخری کتاب اور حق و صداقت کی علمبردار اور رہبر معرفت باری اور ہادی سبیل رب کی آمد سے خزان خلالت بالکل ختم ہو چکی ہے اور کلمہ حق کا موسم ربیع شروع ہو کر اپنے کمال عروج تک پہنچ چکا ہے۔ یہ مبارک کتاب پورے تیس سال میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس کی ابتداء غار حرا میں ہوئی اور پھر

ایمان بالکتاب

اللہ تعالیٰ کی جملہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی اصلاح اور ہدایت کی خاطر وقتاً فوقتاً حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل کئے ہیں جن کی صحیح گنتی تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے البتہ بعض علماء عقائد نے لکھا ہے کہ ایک سو چار کتابیں اور صحیفے اللہ تعالیٰ نے نازل کئے (فتوح العقائد ص ۵۴ وغیرہ) جن میں چار کتابیں مشہور تر ہیں۔ توحۃ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر اتاری اور انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر منزل ہوئی اور قرآن کریم جو سیدہ الرسل امام الانبیاء خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتار دیا گیا۔ ان تمام ہدایت ناموں میں دین و دنیا کی فوز و فلاح اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اصلاح نہایت احسن اور اعلیٰ طریقہ سے بیان کی گئی ہے جس سے زیادہ بہتر اور کوئی طریقہ متصور نہیں کیا جاسکتا۔

آخری کتاب

قرآن پاک جو مذہب اسلام کی اصل اور اساس ہے، جان و مال کی حفاظت کا حکم اور اہل نظام ہے۔ بدی اور بدکرداری کو ناپود کرنے کا ایک ناقابل تسخیر و زور مضابطہ ہے

وہ مقدس اور برگزیدہ گروہ ہے جو خدا تعالیٰ کی بسائی ہوئی تمام آبادیوں میں پھیلا اور مختلف زمانوں اور متعدد زمانوں میں اپنی تعلیم و ہدایت اور ارشاد و تبلیغ کا چراغ روشن کر رہا۔ آج انس و جنس کے سرمایہ میں جتنی کچھ فلاح و سعادت، زہد و ریاضت، تقویٰ و ورع، خدا ترسی و خلعت پروری، روحانیت و معائنہ اخلاق، غیر مذہبی فیض رسانی، پاکدامنی و حیا، تحمل و صبر، کفایت شعاری و استقامت، عالی ہمتی و صلح پسندی، سچی محبت و ہمدردی، توکل بخدا اور رضا بالقضار وغیرہ عمدہ اخلاق و اعمال اور اعلیٰ و ارفع زندگیوں کے جو کچھ اور جتنے کچھ ایسے اور نیک اثرات اور نتائج موجود ہیں، وہ سب انہی بزرگوں کے فیوض و برکات ہیں۔ یہ نفوس قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔ کیونکہ اس عالم فانی کی کوئی چیز زائد ہی نہیں۔ ان حضرات کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدس اور معصوم ہوں تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے سرفراز نہ تھیں۔ کیونکہ ہر پید ہونے والے کے لیے مرنا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ لیکن کیا ہی خوش بخت و سعادت منہ ہے وہ موت جو مقصد حیات کی تکمیل کے بعد آئے۔ یہی وہ قابل رشک موت ہے جس پر فیض شکاری کی لاکھوں زندگیاں تصدق کی جاسکتی ہیں اور اسی موت میں حیات ابدی کا بھید اور راز پوشیدہ ہے۔ محض خواب و خوراک بلذہ و تعیش کی زندگی ایک ہیمانہ اور حیوانی زندگی اور کھیل و شغل کا سامان ہے وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَ لَعِبٌ (آلہ)۔ یہ حضرات آنے والوں کی مہر کی کے لیے جگہ جگہ اپنے نیک آثار اور نقش قدم چھوڑ گئے ہیں۔ جو زبان حال و قاف پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں کہ:۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے کسے دیتی ہے شوخی نقشِ پاکی

تقریباً تیرہ سال مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی رہی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو دس سال یہ کتاب موقع اور ضرورت کے مطابق وہاں نازل ہوئی تھی تاکہ اس کا آخری پیغام عرفات کے وسیع میدان میں جمعہ کے دن نازل ہوا جس کو ایک لاکھ سے زائد شیعہ نبوت کے پر والوں نے سنا اور سعادت عظمیٰ اور تمام نعمت کی بشارت عظیمہ سن کر فرط مسرت اور بے حد خوشی سے زمزمہ تحمید سے سرشار ہو گئے۔ وہ آخری تحفہ یہ ہے:-

اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَقَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا۔ (پ۔ ۶۔ المائدہ۔ ۱۰)

آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمام دین مکمل کر دیا ہے اور میں نے اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا ہے۔

ایمان بالرسول

اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض برگزیدہ بندوں کو وحی اور الہام کے ذریعہ علم عطا فرماتا ہے جو ظاہری حواس سے بالاتر ایک فریضہ علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی جو علم حاصل ہوتا ہے، اس میں نہ تو عقل ترمیم کر سکتی ہے اور نہ ترمیم و تصرف کا حق ہی رکھتی ہے۔ دنیا کی کوئی قوم، کوئی ملک اور کوئی زمانہ ایسا نہیں بنایا جاسکتا کہ کسی نہ کسی رنگ میں نسل انسانی وحی الہی کے عقیدہ سے الگ رہی ہے اور فطرت انسانی کی تشکیلی بذریعہ وحی مبتدل یا سیرانی نہ ہوئی رہی ہو۔ یہ

نبوت اور رسالت کا سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری رہا ہے

الغرض ابتدائے آفرینش سے انسانوں کے لیے سلسلہ رشد و ہدایت کا بنج اور اسلوب ہی رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ایک رسول اور نبی تشریف لانا اور پیغامات خداوندی لوگوں تک پہنچانا۔ خوبھی اُن پر پابندی کرنا اور اپنے متبعین اور پیروکاروں سے بھی عمل کروانا اور پھر دنیا سے چلا جانا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ پیغامات اور احکام اُن کی قوم کے پاس صحیح اور اصلی شکل میں محفوظ رہتے لیکن ازل بعد جب اسباب تغیر و اختیار کی خود غرضانہ مکاریاں اور سیلہ جو نیاں اپنا درست تصرف ڈھالتیں تو اس صانع شفاف اور شیریں چشمہ کو اپنے قلبی میلانات و رجحانات اور نفسی خواہشات و امیہ اور خود ساختہ اور خود تراشیدہ ذہنی تصورات و تخیلات کی آمیزش سے اس قدر مکدر کر دیتیں کہ کچھ عرصہ کے بعد اصلیت اور حقیقت انہی آلائشوں اور آویز شول میں مفقود ہو کر رہ جاتی اور انسانوں کی یہ گم کردہ راہ جماعت وحی الہی کی روشنی کے بغیر تاریکی میں رہ جاتی ہے اور اس وحشت و جہالت کے عالم میں حق کا متلاشی انسان ادھر ادھر مارا مارا پھرتا۔ لیکن خدا تعالیٰ کی اس وسیع سیر زمین پر اسے کہیں روحانی حیات کا نشان اور خوشنودی حق کی تازگی کا کوئی سراغ نہ ملتا تھا۔ ہر گوشہ اور ہر طرف سے یلوس و ناامید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور صرف ایک مشکل گٹ اور ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہتی تھیں کہ مَسِّیْ نَصْرُ اللّٰہِ۔

اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مذہب اپنے نبی اور رسول کی سیرت اور

عملی زندگی کے بغیر بالکل ناکام رہتا ہے۔ جب نبوت یہاں تک پہنچ جاتی تو پھر ایک اور رسول اور نبی آجاتا اور پیغام باری تعالیٰ کو ان تمام تحریکات اور الحاقات سے بالکل پاک و صاف کر کے اس کو اس کے اصلی رنگ میں پیش کر دیتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اسی امر کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

قال کانتم بنو اسرائیل تسوسہم انبیاءکم علیہم الصلوٰۃ والسلام واند لا نسبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون (الحديث) بخاری ج ۱ ص ۹۱
اس کے بعد دوسرا نبی تشریف لے آتا اور یہ یاد رکھنا کہ میرے بعد کسی کو نبوت نہیں ملیگی ہاں البتہ خلفاء و بحیثیت ہوں گے۔

یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا تا آخر حضرات انبیاء بنی اسرائیل (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے آخری نبی صاحب انجیل تشریف لائے تو انہوں نے اپنی نبوت و رسالت کو صرف بنی اسرائیل تک محدود ہونے کا واضحکاف الفاظ میں ایک خاص موقع پر اپنے مخلص شاگردوں کے سامنے یوں اعلان فرمایا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑیوں (جو امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کی سرسبز و شاو اب اور لہلہاتی ہوتی کھیتی چر گئی ہیں) اور کہیں تو بھیڑیوں کے بجائے بھیڑیوں کی صورت میں نمودار ہوئی ہیں۔ (فوالسفا) کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (انجیل متی۔ ص ۱۶۔ آیت ۲۷)

اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بارہ حواریوں کو (جن کے نام بتا کر ان کو بارہ رسولوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو انجیل متی باب ۲ آیت ۲ تا ۲۸)

تبلیغ کے لیے بھیجا تو ان کو یہ حکم دیا کہ ۔ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا ۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا ۔ (انجیل متی ۔ باب ۱۰ آیت ۵-۶)“

اور قرآن کریم بھی اس کو صاف الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت اور رسالت صرف بنی اسرائیل کی قوم تک محدود تھی، انجیل کے اس بالا حوالے کے بعد جو بالکل صاف اور صریح ہے عیسائیوں کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ غنیمت اسرائیلیوں کو عیسائیت کی تبلیغ کریں کیونکہ جب حضرت یسوع مسیح علیہ السلام صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے رسول ہیں تو وہ بھلا تمام دنیا کے ہادی اور رہنما کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اور ان کی تعلیم کیسے عام ہو سکتی ہے۔ یہ کام تو صرف دنیا کے سردار کا ہے جو ساری کائنات کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

غرض رسالت

انسان کی اس پیاس کو بجھانے کی غرض سے جو عہد یشاق میں اقرار ربوبیت، معرفت الہی، رخصانے خداوندی اور اپنی تخلیق اور زندگی کے حقیقی مقصد سے آگاہی اور دائمی وابدی راحت حاصل کرنے کے لیے اس کی فطرت میں ولایت کی گئی تھی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور رحمت و رأفت سے حضرات انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان کو وحی والہام کے ذریعہ ہدایت نامے دیے کیونکہ جب تک اس سرزمین پر نسل انسانی آباد ہوتی ہے ٹھیک اسی وقت سے انسانوں میں جہانی بیماریوں کی طرح روحانی اور اخلاقی بیماریاں بھی بسترہ چلی آتی ہیں اور اسی وقت

سے انہی مملکت امراض کے معالجوں (یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ جنہوں نے عقائد و اعمال اخلاقی و معاملات اور ان لوگوں کے باہمی تعلقات کو قوی و عملی شکل میں نمایاں طور پر واضح کیا ہے، جن کے ذریعہ انسان عظیم الشان فوز و فلاح اور سعادت و آسائش سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہر مملکت اور ہر قوم میں خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہادیوں اور رسولوں کا آنا اور اگر اللہ تعالیٰ کی توحید خالص اور دیگر اہم بنیادی عقائد و مسائل سے آگاہ کرنا ایک نہایت ہی ضروری امر تھا اور اللہ تعالیٰ نے صرف نسل انسانی ہی میں مختلف اقوام اور متعدد ممالک میں مناسب اوقات میں نبی اور رسول بھیجے جو اپنی اپنی قوم کے لیے مشکل راہ اور چرخیار ہدایت ثابت ہوئے، کیونکہ اس رؤف و رحیم اور رب العالمین کی شان اقدس سے بالکل ہی بعید تھا کہ وہ مخلوق کی جسمانی پرورش اور حفاظت کے لیے تو تمام ضروری سامان متیار کر دیتا مگر ان کی روحانی اور اخلاقی تربیت سے وہ غافل اور بے خبر رہتا۔ معاذ اللہ جبکہ مخلوق کی حقیقی فلاح و کامرانی صرف روحانی و اخلاقی تربیت ہی سے وابستہ ہے لہذا حقیقی صلاح و فلاح اور فوز و نجات کے لیے اللہ ضرورت تھی کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے طریقے سکھائے اور رخصانے الہی کی راہیں بتانے کے لیے دنیا میں نبی اور رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث فرمائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَبِخَلْقِ قَوْمٍ
لَعَلَّكَ تَرْحَمُ عَلَيْهِمْ
خداوندی سے ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کی طرف ہدایت کرنے والا آیا ہے۔

ہاجہ (پ ۱۳۔ رد ۱۰)

محدود حلقوں میں خدا تعالیٰ کا پیغام شاکر رسالت اور نبوت کا حق ادا کرتے رہے اور یہ تمام کو اکاب نبوت اپنے اپنے زمانہ میں وحی الہی کی آغوش میں تربیت پاکر دُنیویا کو روشن اور درخشاں بناتے اور اپنی اپنی قوم کو راہ ہدایت پر لانے کی جدوجہد کرتے رہے۔ لیونکہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ایک وقت رشد ہدایت اور تعلیم و تربیت کے شاہ بھی تھے اور فوز و فلاح کی بشارت، سنانے والے مبشر بھی، انجمنوں اور غافلوں کو بیدار کرنے والے نذیر بھی تھے اور بھٹکے ہوؤں کو خدا تعالیٰ کی طرقت پر لانے والے داعی بھی۔

نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سب سے بڑا اور عظیم الشان طوفان برپا ہوا جس نے تمام روئے زمین کا احاطہ کر لیا اور تمام جہان پر چھا گیا۔ سطح ارضی کا چپہ چپہ خدائے واحد اور مالک حقیقی کو فراموش کر کے سینکڑوں ہی نہیں بلکہ ہزاروں معبودانِ باطلہ کی عبادت میں مصروف و منہمک ہو گیا اور دنیا میں بسنے والی مخلوق نور نبوت اور فیضانِ رسالت سے محروم ہو چکی۔ شرک، کفر، جہالت اور ضلالت کے سیاہ اور گھنگھوہا لیل تیرہ تفریق ہوئے اور کفر و شرک، جہل و ضلالت، ظلم و جور کی نامبارک اور مریخ سازش برپا ہو گئی جس سے تمام سرزمینِ شرک و جہالت کی ظلمت تیرہ تار ہو چکی اور انسان اپنے ہادیوں اور رہبروں کی صحیح تعلیمات کو فراموش کر کے انتہائی رذالت و جہالت کے قعرِ مذلت میں گر چکی اور ہر قوم کے شریفانہ اخلاق سے مبرا

ان پیغمبروں اور ہادیوں (علیہم السلام) نے ہمیشہ ان نول کو صحیح انسانیت پر قائم رکھنے کی کوشش اور کاوش کی اور انسانوں کے باہمی تعلقات کو استوار اور خوشگوار رکھ کر معبودِ حقیقی کی عبادت بجالانے کی تلقین کی، اس سعی میں ان کو کبھی تو غلط و پرند سے کام لینا پڑا اور کبھی ضعیفوں اور کمزوروں کو بہادر اور دلیر بنا کر کم فہم اور سرکش ظالموں کا سر توڑنے اور ان کے کبر و غرور کو پودہ زمین کرنے کی ضرورت پیش آئی انہیں ہادیوں اور رہبروں کی لائی اور پیش کی ہوئی پاک تعلیمات کا یہ اثر اور نتیجہ تھا کہ دنیا میں بار بار ظلم و مصلحت اور جور و طغیان کے سیاہ طوفان برپا ہونے کے بعد نیست و نابود ہو گئے۔ دنیا میں توحید خداوندی کا علم بلند ہوا اور ان کی روحانیت اور اخلاقی حسن کی برکت سے کفر و شرک کی تار یکوں کے تمام پروے چاک ہو گئے۔ اور سینکڑوں برس کے بھٹکے ہوئے غلاموں کو اپنے حقیقی مالک اور محسنِ آقا کے سامنے سر جھکانا نصیب ہوا اور صدیوں کے بھٹکے ہوئے مفید اسباق ان کے قلوب و ادیان میں تازہ ہو گئے اور ان کے مژدہ دلوں کی اجڑی ہوئی بستیوں میں وہ آتش شوق بھڑک گئی جس نے کفر و شرک کی دنیا کو جلا کر ان کی آن میں خاک سیاہ کر دیا۔ آخرت و ہمدردی کا وہ پائدار رشتہ جو حرفِ غلط کی طرح دُنیویا سے مٹ چکا تھا۔ ان کی پیہم سعی اور کوشش سے پھر استوار ہو گیا۔ دشمنِ دوست بنے اور بیگانوں میں یگانگت نے راہ پائی۔ بے راہوں نے سیدھی راہ دیکھی اور مضطرب حال اور بے چینوں کو چین نصیب ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے پیغمبر اور اس کے رسول اپنی دنیا کے ہادی اور وقت کے رہنما خاص قوموں اور خاص ملکوں کے لیے نذیر و مشیر بن کر آئے ہیں اور اپنی رسالت کی تبلیغ و اشاعت کرتے رہے اور

ہو چکی، غرضیکہ دنیا کے کسی ملک اور کسی خطہ میں انسانی نسل اپنی انسانیت اور شرافت پر قائم نظر نہیں آتی تھی اور تمام بدو و بد اخلاق و روحانیت سے محروم ہو کر بکریاں بن چکے تھے۔
ظہر الفساد فی البریۃ و البحرینما
کسبت الذی الناس (پارا ۵) کے مافوق کی کمان کی وجہ سے۔
مگر ان تمام بدترینوں اور جہالتوں کا سرگزشت نقطہ اور ناپوکیوں اور ظلموں کا مزاج و منبع ملک عرب تھا جہاں کفر و شرک کا دور اور بد اخلاق کا زور تھا۔ حرام کاری اور قمار بازی کا طوفان اور بے حیائی و خونریزی کا یہ جان تھا۔ انسان کی گردن جسے فطری طور پر خالق کا شرافت نے سر بلندی عطا فرمائی تھی۔ وہ ان کے اپنے خیالی اور خود تراشت پر معبود کے سامنے سجدہ دینا تھی۔ اگر اس وقت اخلاق و مکارم کی دنیا میں شرم و حیا ایک طرف سر جھکا گئے کٹری تھی تو امانت و دیانت دوسری طرف مٹ چپائے پڑی تھی۔ بد کاری اور حیا سوزی کی کوئی قبیح حرکت ایسی نہ تھی جسے اُس زمانہ شرف و فام میں اجازت و اباحت کی سند نہ مل چکی ہو۔ شقاوت قلبی اور بدستی کی کوئی لغزش ایسی نہ تھی جس پر کوئی ادنیٰ سی پابندی بھی باقی رہ گئی ہو۔ قصور شاہی اور مجالس اُمر و اکابر کا لوگنا ہی کیا ہے۔ تقدس و عقیدت کے مذہبی اور دینی مراکز و محافل تک حیا سوز اور رسوا کن فواجش و منکراہیکے اُٹسے بن چکے تھے۔ انصاف اور عدل کی مجلسیں ناخوش تخلیق اور عزم و عرفان کی شمعیں بجھ چکی تھیں وحشت اور بربریت کی تاریکیاں ہر طرف زہم انسانیت پرستولی اور غالب تھیں۔ عقائد و اعمال اخلاق و معاملات، معاشرتی و معاشی، عائلی و تمدنی غرضیکہ انفرادی و اجتماعی زندگی کا کوئی پہلو اور شعبہ ایسا نہ تھا جس پر غیر فطری اور غیر انسانی اخلاق غلبہ نہ پا چکے ہوں فسق و فجور قتل و غارتگری، زہری و سفاکی، شرابخوری

و فحش گوئی، قساوت قلبی اور عریاں نگاری، کذب و غرور، نا انصافی و خود غرضی، بد عہدی و بدگمانی، قطع رحمی و فساد و غیرہ بُرے عقائد و اعمال اور قبیح اخلاق و معاملات، ان کی برا اخلاق کے آئینہ دار تھے، اور ان معائب اور فوہائے کچھ ایسی ہمہ گیر صورت اور حیثیت اختیار کر رکھی تھی کہ وہ لوگ ان پر نادم و شرمندہ ہونے کے بجائے اُسے فخر و نازاں تھے۔ مگر اہی اور ضلالت ہر طرف اور ہر کیفیت سے اُن پر چھا گئی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بلا حیرت نہیں ہے کہ اِنْ کَانُوا مِنْ قَبْلِ مَظْلُومٍ مُّسْتَبِیْنٍ ○ اُس وقت دنیا کی اس بکری ہوئی حالت کو تبدیل کرنے کے لیے رحمت بنی تعالیٰ حرکت میں آئی۔ سرزمین حجاز کی خفہ قیمت جاگی۔ مکہ کی رہنہ چٹانوں اور بے آب و گیاہ وادیوں پر پروردگار عالم کی ساری رحمتوں کے دروازے کھل گئے۔ بلکہ امین کی گلیوں کے دروازے کا طالع خفہ بیدار ہوا جس مقدس راستے کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام) نے اپنے رب کے حضور دُتبا وَاَبْعَثْ فِیْہِمَا رُسُلًا مِّنْہُمْ کے الفاظ سے دست دعا اور دامن سوال پھیلا کر مانگا تھا اور جس برگزیدہ ذات کی آمد کی خوشخبری حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور سینین پر بنی اسرائیل کو دی تھی اور جس مبارک وجود کے آنے کی بشارت حضرت مسیح علیہ السلام نے کوہ زبیران پر پہلنے مخلص عاریوں کو سنائی تھی اور جس با عظمت شخصیت کے انتظار میں زمانہ نے ہزاروں برس صرت کر دیے اور لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں اور جس افضل ترین مخلوق کی خوشی میں شمس و قمر اور سیارات نے بے شمار اور ان گنت چکر لگائے تھے اور ایل و شمار کے انقلاب نے ہزاروں مرتبہ موسمِ زین و خزاں کو بدلتے دیکھا تھا، بالآخر خالق احضار و سمارنے اس دعائے خلیل و مومن نے کلیم اور نو پیر مسیح کو آفتاب ہدایت بنا کر

نفسِ نفس پہ مغفرت، قدم قدم پہ برکتیں
جدھر جدھر کہ وہ شفیع عاصیاں گزر گئی
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے ات کجنگ

وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

اور یکایک وہ وقت آ پہنچا کہ ایران کے آتشکدوں کی شعلہ زن آگ ٹھنڈی ہو گئی
دنیا کے صنم کدوں کے بُت پاش پاش ہو گئے۔ اجارہ و رہبان کی باطل معبودیت کا بوجھل
طوق، قیصر و کسریٰ کے ظلم و استبداد کی مضبوط اور گرزاں بار نہ بچریں۔ بد شگونی اور وہم
پرستی کی حیا سوز بندشیں، قتل و غارت اور دُختر کشی کی ظالمانہ ریسیں، شراب نوشی
اور خمر بالآباد کی بے جا حرکتیں، قومیت اور وطنیت کی غیر فطری حد بندیاں سب
ایک ایک کر کے ٹوٹی چلی گئیں۔ کیونکہ رہبرِ کامل ہادی برحق، خدا کے واحد کماندا دی،
توحید خالص کا داعی، امن و سلامتی کا پیغامبر، یتیموں اور یرمواؤں کا سہارا، بے سکون اور
ضعیفوں کا مالدی، غلاموں اور لڑکیوں کا ہمدرد اور عالم انسانیت کو اس کا مسلوب حق
واپس دلانے والا معین مبعوث ہو چکا جس کی آمد سے تمام دنیا سے طاعون قوتوں اور
اور اہلسانہ طاقتوں کی کشش و جاذبیت، کے فرعونی تخت اٹل گئے، اور ادیانِ باطلہ
کی نبضیں جھوٹ گئیں۔ وہ آنے والا آگیا جو ہیکر جلال و جمال کا حسین ترین مجموعہ اور باغبانِ
ازلی کے سرسبز و شاداب جنتان کا خوشنما پھول اور روحانیت و اخلاق کا خوش آئند گلہزار ہے
یہ بزرگ ترین مہتی قہر نبوت کی آخری اینٹ اور اس کا روانِ مرشد و ہدایت کی آخری کڑی
تھی جو کبھی جودی کی بلند چوٹیوں پر بٹھا اور کبھی ملکِ شام کے سبزہ زاروں میں ڈکا۔ کبھی
بابل و عراق کے ریگستانوں اور تختوں کو ٹپکا اور کبھی نیل کی وادیوں میں گھوما، کبھی سینا کی

ملک عرب میں پہلوئے آمنہ سے پیدا اور غارِ حرا سے طالع اور ہویدا کیا۔
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا دعدے خلیل اور نویدِ مسیحا
اُس سراجِ منیر نے مبعوث ہو کر دنیا کی تاریکی کو دور اور لُغہِ ارضی کو پُر نور بنا دیا۔ بنی
نوح ان کی ضائع شدہ شرافت، پھر واپس آئی اور اولادِ آدم نے اپنی فطری قربت
اور آزادی کا صحیح مقام پہچان لیا۔ ہر طرف سے خوشیوں کے چشمے بہنے لگے۔ آفتاب
متاب نے قہقہہ لگایا، چاند مسکرایا، ککشاں نے تبسم کیا، ستارے مسرور ہوئے اور
آسمان سے وحی کی بارشیں برسی اور اُس وقت محصور فرشتوں کو اپنی اَعْلَمُ مَکَا
لُفَعْلَمُون کا سر بستہ راز اور بحید کا حق سمجھ میں آیا۔ زمین و زمان میں مبارکباد اور
خوش آمدید کی پُر کیفیت صدائیں بلند ہوئیں، طائرانِ چین نے وجد و حال کی نغمہ کیفیت
میں سر مست ہو کر نغمہ سرائی کی انتھے ننھے پر و افوں نے خوشی میں آکر رقص کرتے ہوئے
آتش سوزاں میں کود کر خالقِ کائنات کی بارگاہ میں جانِ عزیز کا نذرانہ پیش کیا۔
اور عالم کے ذرے ذرے نے زبانِ حال سے مرجا کہتے ہوئے صلوٰۃ و سلام
کا تحفہ بھیجا۔ ارحم الراحمین کا سحابِ کرم زندہ امیدوں اور درخشندہ تمناؤں کی ہزار
خوشیاں اپنے مبارک پہلو میں لئے ریحِ الاول کے بابرکت جھیلے میں خاندان کی چوٹیوں
پر جھوم جھوم کر آیا اور مکہ مکرمہ کی پاک اور مقدس وادیوں میں خوب کھل کھلا کر رہا۔
جس سے انسانیت و شرافت اور دیانت و امانت کی مرجانی ہوئی کھیتیاں ابلہا اٹھیں
کفر کا غرور ٹوٹ گیا، جاہلیت کی باطل اقدار سرنگوں ہوئیں اور اسلام کا پرچم عظمت
سربلند ہوا اور کیوں نہ ہوتا۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ
بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِذْ
أَنْزَلْنَا مِنْ قَبْلُ لُغِي مَنِيلٍ ۝ (پک۔ آل عمران۔ ۱۶)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا
جو بھیجا ان میں رسول انہی میں سے پڑھتا
ہے ان پر اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے
ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب و حکمت
اور اگرچہ وہ لوگ اس سے قبل صریح گمراہی
میں مبتلا تھے۔

اس سے صاف طور پر یہ امر واضح ہو گیا کہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان
ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس نے انہی کی جنس اور انہی کی نوع کا ایک۔ بشر آدمی اور انسان
رسول بنا کر بھیجا جس کے پاس اٹھنا بیٹھنا، بات چیت کرنا، زبان سمجھنا اور ہر قسم
کے انوار و برکات کا استغناء نہ کرنا آسان ہے۔ ان کے احوال، اخلاق، سوانح زندگی
امانت و دیانت، خدا ترسی اور پاک بازی سے وہ غریب اور اچھی طرح واقف
تھے، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ رسول اور نبی سے انسانوں کا استغناء اور ان کا بے
فیض جی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی انسان اور بشر ہو۔ کیونکہ اصلاح کے لیے صرف علم
ہی کافی نہیں بلکہ احساس کی بھی ضرورت ہے۔ پس جو علم نہیں کھا سکتا وہ مغزوہ اور دیگر
کی پوری تسلی بھی نہیں کر سکتا اور جو محسوس و پیاس کی تکلیف سے آزاد اور بے شعور ہو
وہ بھر کے اور پیاسے کے ساتھ صحیح دوسری اور صبر کی تلقین کرنا بھی نہیں جانتا جو
میدان کارزار میں دشمن کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے زخم نہیں کھاتا وہ شہادت
فی سبیل اللہ اور تبلیغ دین کے سلسلے میں زخمی ہونے کی ترغیب بھی نہیں دے سکتا۔
جو خود اپنے کسی لحظہ جگر اور نور نظر کے فراق کا صدمہ نہیں اٹھاتا وہ بالے ہی موقع پر

پھاڑیوں سے گزرا اور کبھی یروشلم کے میدانوں میں اترا، کبھی سبا اور مدین میں وارد ہوا اور
کبھی وادی غیر ذی زرع میں نازل ہوا اور پھر آخر میں بلقاء کے وسیع صحراؤں میں فوکش
ہوا کیا خوش نصیب ہے وہ امت اور کیا نیک بخت۔ اور سعادت مند ہے وہ قوم جس
کی قسمت میں اس مبارک گروہ کی آخری کڑی اور گراں مایہ موتیوں کا درجہ تیمم حضرت
محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین اور رحمت ہمدانہ عیسیٰ بزرگ ہستی
حصہ میں آئی (صلی اللہ علیہ وسلم) جس خوش بخت قوم کو یہ مبارک دولت اور بے پایاں
نعمت مل گئی اس کو قدرت کی سب عنایات مل گئیں۔ اس کو اس نعمت عظمیٰ اور
دولت گرانمایہ کے بعد کسی اور نعمت و دولت کی کیا حاجت؟ سہ
سب کچھ خدا سے مانگ لیا نتیجہ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں، اٹھتے ہیں اس دعا کے بعد

احسان عظیم

اگرچہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کے لاکھوں اور کروڑوں انعامات و احسانات تھے
ہیں جن کا احصاء و شمار بھی حیطہ امکان سے باہر ہے چہ جائیکہ ان کا شکریہ
ادا کیا جاسکے۔ اِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا۔ مگر جس امت کو اللہ
تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی جلیل المرتبت اور عظیم الشان ہستی رحمت
فرمائی ہے اس پر تو بے حد اور بڑا ہی احسان کیا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اذراو تعنت و عداوت و جدو فرمائی
نقائات اور معجزات طلب کئے تھے۔ اس کا فیصلہ کن جواب اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ ۖ هَلْ كُنْتُ إِلَّا لَكُمْ رَسُولٌ لِّمَن لَّدُنْهُ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ عَلَيَّ الْكِتَابُ لَآتِيكُمْ بِهِ فَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْكُمْ زُتًى يَوْمَئِذٍ فَيَلْهِيكُمْ عَنْ الدِّينِ وَيَخْلِفُكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَآثِمُوا ۚ فَبِمَا كَفَرْتُمْ يَفْضَلُ لَكُمْ أَنْ يَنْزِلَ عَلَيْكُمْ رَبٌّ حَتُّوهُ ۚ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (ہود: ۱۰۱)

اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کارخانہ میں تصرف کرنا حضرات
انبیاء کرام علیہم السلام کے اختیار و بس میں نہیں ہے اور ان کو مافوق طاقت بشری کام پر قدرت
نہیں ہے اور نہ زمین و آسمان میں اُن کو خدائی تصرف کا حق ہے اور نہ خدائی طاقتیں اور اختیارات
ان کو حاصل ہیں اور نہ تو وہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے اور نہ اُس کی جزو اور نہ وہ اس کے
رشتہ دار ہیں۔ کیونکہ وہ تو ہر حیثیت سے وحدہ لا شریک لہ اور مخلوقات کی تمام صفات
اور لوازمات سے متبرک اور منزہ ہے اور ہر قسم کے عجز اور نقص سے پاک ہے۔

بے شک حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں پر بے شمار معجزات صادر ہوئے ہیں جو بالکل ایک قطعی حقیقت ہے اور ان کا انکار اور تاویل خالص الحاد بنی بے دینی اور مذقہ ہے مگر اصول قطعیہ اور قصص متواترہ سے یہ بات بھی مبرا ہن ہو چکی ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی اور رسول کے ہاتھ پر صادر ہوتا ہے۔

کسی کی تعزیت اور تسکین بھی نہیں کر سکتا۔ جو خود اپنی بیویوں کے گھر پر ملاحظہ اضرورت
اور مطالبات سے ناواقف ہو، وہ دوسروں کو اہل خانہ کے ساتھ حرجِ سوگ کا سبق بھی
نہیں سکھا سکتا اور جو خود درد و کرب، ہمارا اور بدنی آلام میں مبتلا نہیں ہوتا وہ ایسے
مصائب اور تکالیف میں دوسروں کے لیے صبر و ہمت کی ڈھارس بھی نہیں بن سکتا۔
غرض کہ جو شخصیت فطرتِ انسانی کی خامیوں اور کمزوریوں سے آشنا نہیں وہ ان میں
ان کی اصلاح اور مناسب موقع پر اغماض بھی نہیں کر سکتی۔ اسی لیے ربِّ ذوالجلال
نے جا بجا قرآنِ کریم میں بعثتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان کا بشرِ
آدمی اور انسان ہونا ایک مستقل انعام و احسان قرار دیا ہے اور لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ کی
آیت قراس کی واضح اور روشن دلیل ہے۔ کفار اور مشرکین کو اس پر بہت حیرت
ہوتی تھی کہ انہی کی طرح کھائے پینے، چلتے پھرتے اور بازاروں میں گھومنے والا نبی
اور رسول ہوا اس سے ان کی ہدایت و رشد اور رہنمائی کا سلسلہ وابستہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے
اس باطل اور بے بنیاد نظریہ کی پڑ زور تردید فرمائی اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے
بشرِ انسان اور آدمی ہونے کی حکمت، مصلحت اور فلسفہ بتایا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ا-
قُلْ كُنَّا مِنْ الْأَرْضِ عَلَى نَفْسٍ مُّطْمَئِنَّةٍ لَّنُؤْتِيَنَّكُمْ مِّنْهُ جَدًّا مُّخْبِتًا أَعْمَارًا
ہم ضرور تماری زمین پر فرشتے چلتے پھرتے بستے تو
ہم ضرور تماری آسمان سے

فرشتہ رسول -

(پ ۱۵ - جنی اسرائیل - ۲)

یعنی اگر زمین کی خلافت اور آبادی فسرشتوں اور فوری مخلوق کے سپرد ہوتی تو حکمت کا تقاضا یہ ہوتا کہ ان کی اصلاح و ہدایت کے لیے آسمان سے انہی کی نوع سے نوری مخلوق

نشان اس کا زمانہ مل نہیں سکتا قدم قدم پہ جو نقش و فنان کے چلے

بشارت احمدی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تورات و انجیل میں واضح بشارتیں اور تشریفات آوری کی خبریں موجود ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر تحفہ قائم کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:-

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
الَّذِي جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ
عِنْدَ هُمْ فِي السُّورَةِ وَالْإِنْجِيلِ الْآيَةِ

یعنی مومن وہ ہیں جو پیروی کرتے ہیں
رسول نبی آئی کی جس کو وہ لکھ ہوا
ہیں اپنے اہل تورات اور انجیل میں۔

(پ۔ الاعراف ۱۱۹)

قرآن پاک کا یہ قطعی منعمون اس کی واضح ترین دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک تورات اور انجیل میں یہود و نصاریٰ کے ہاں لکھا ہوا تھا اور یہ چیز ان کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت تھی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جو طر شجرہ دی تھی، وہ اس سے بھی زیادہ روشن ہے۔ چنانچہ ارشاد خداوندی یہ ہے کہ:-

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ
إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ

اور جب عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) نے
فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ
تعالیٰ کا رسول ہو کر آیا ہوں، تصدیق کرتا ہوں

اس کی مفصل بحث راقم کی کتاب ”راہ ہدایت“ اور ”قصۃ السراج“ میں ملاحظہ کریں۔

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ:-

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ
كَمَا يُوحَىٰ لِمَنْ خَلَقَ قَبْلِي
رَاقِبَتِهِ. (پہلا کلمہ ۱۲۰)

کہہ دیجئے کہ میں تو تمہاری طرح کا بشر ہوں
ہاں میری طرف وحی بھی جاتی ہے۔

اس میں یہ امر آشکارا کر دیا گیا ہے کہ بے شک ہیں تو وہ بشر اور انسان ہی اور تمام بشری تقاضوں اور لوازمات میں وہ عام انسانوں کی طرح ہیں مگر انبیاء اپنے کلمات و درجہات، اپنے فضائل و مراتب، اپنے خصائل و اخلاق اور اپنے شمائل و کمالات کے اعتبار سے تمام انسانوں سے فوق سب فرشتوں سے اعلیٰ اور ساری کائنات سے افضل ہیں اور خاص کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شان یہ ہے کہ علی

بعد از خدا بزرگ، تو فی قصہ مختصر

وہ خدا تعالیٰ سے مکالمہ کرتے ہیں، اُن پر خدا تعالیٰ کی وحی نازل ہوتی ہے، وہ معصوم ہوتے ہیں، وہ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں اس لیے ان کی عزت، تعظیم اور اُن کی اطاعت و فرمانبرداری سب پر فرض ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے خاص اپنے اور مطلع بندے ہوتے ہیں، جن کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے رسالت اور غیر جہ کے بلند و بالا منصب پر سرفراز کیا ہوتا ہے۔ لیکن وہ بایں عز و شان اس کے عابد اور اس کے بندے ہوتے ہیں۔ اور خلائے ناصر و معین کے دربار عالی ہی میں دست بدعا ہوتے ہیں جس کی نصرت و تائید کے بغیر زندگی کے کسی گوشہ میں کامیابی و کامرانی نصیب نہیں ہو سکتی اور جس کی عاجز و نوازیال بے سکون کا آخری سارا اور بے نوازی کا انتہائی مادی و لمبانی ہوں اور ان حضرات کے نیک آثار کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی کیونکہ یہ

گننا (تورات استثناء۔ باب ۱۸۔ آیت ۱۵)

اس سے معلوم ہوا کہ بقول حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک نبی کا برپا ہونا ضروری تھا اور تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں بجز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نبی برپا اور مبعوث نہیں ہوا اور اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ نبی بنی اسحاق سے نہ ہوگا بلکہ بنی اسماعیل سے ہوگا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند مستقل شریعت، کتاب والا، صاحب جہاد، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہجرت کرنے والا اور متعدد ازواج مطہرات کا شوہر ہوگا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی تاکید فرم گئے ہیں کہ تم اس کی گننا اور اس کی اطاعت، و فرمانبرداری کرنا۔ اور خود رپ، ذوالجلال نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ۱۔

”میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں (اسماعیلوں) میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے من میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں نے حکم دوں گا وہی اُن سے کہے گا“ (استثناء باب ۱۸۔ آیت ۱۹)

وہ نبی بحق جب تشریف لائے تو اُن کی صفت اور خوبی رب تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ۔
وَمَا يَخْفَىٰ عَنِ الْمُهَيَّمِ إِنَّهُ هُوَ
رَاحٌ وَنَحْيٌ يَبْزُو حَيًّا (پتا۔ النجم۔ ۱)
وہی ہوتی ہے وہ اُس کے مطابق بولتا ہے
اور جو حکم اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا وہی بلا کم و کاست، آپ نے پہنچایا۔

انجیل کی شہادت
آج کی محرف انجیل میں بھی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اسی آمد کی خوشخبریاں موجود ہیں جن کی تخریص معنوی

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي
اسمہ اخذًا (پتا۔ الصف۔ ۱)
کی جو مجھ سے پہلے نازل ہوئی اور اپنے بعد
ایک رسول کی بشارت سنا تا ہوں جس کا نام

احمد ہوگا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس سے بالکل آشکارا ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) نے جو صرف
بنی اسرائیل کے رسول تھے، اپنی قوم کا نام لے کر اس کو یہ بشارت دی تھی کہ میرے بعد
ایک اور صرف ایک نبی دنیا میں تشریف لائے گا جس کا نام مبارک احمد ہوگا۔
(صلی اللہ علیہ وسلم)

سابق آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں پادری صاحبان کی کوششہ سازیلوں سے جو جو
تحریفات و الحاقات اور تراجم و اضافات ہوئے، وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے،
اور انصاف کی دنیا میں اس کی تردید امر محال ہے۔ ہم نے اس کی کچھ بادل ازل بحث اپنی
کتاب عیسیٰ کا پس منظر میں کر دی ہے۔ لیکن بایں ہمہ تحریفات آج بھی تورات و
انجیل وغیرہ میں بشارت کا ایک غیر مبہم حصہ موجود ہے۔ چند حوالے ہم عرض کرتے ہیں۔ ۱۔

صاحب تورات کی بشارت

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت اسحق علیہ السلام کی اولاد کو خطاب کرتے
ہوئے ارشاد فرمایا کہ ۱۔

”خداوند تمہارا خدا تمہارے لیے تمہارے ہی بیج سے یعنی تمہارے ہی بھائیوں
دولاد اسماعیل علیہ السلام) میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اُس کی

یہ یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لفظ "احمد" کے ساتھ بشارت دی تھی جس کا ترجمہ یونانی زبان میں پیر کلوطس تھا جس کا عبرانی میں ترجمہ فارقلیط سے کیا گیا تھا اور اب اس کا ترجمہ اناجیل کے کرمزما مترجمین نے اپنی خود پسند اور من بھاتی رائے سے مددگار - وکیل، شفیع - بزرگ - روح القدس اور روح حق قرار دیا ہے۔ جو باوجود تحریف کے ان کے لیے چنداں مفید نہیں ہے۔

بعض دریدہ دہن پادریوں نے جن میں خصوصیت سے پادری گولڈیک قابل ذکر ہیں، دنیا کے سردار کا معنی شیطان کیا ہے (معاذ اللہ) مگر یہ تاویل اتنی بیہودہ اور لایعنی ہے کہ کوئی عقلمند اس کو سننے کے لیے تیار نہیں اور جو کئی وجوہ سے باطل ہے۔ اولاً کیا شیطان حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے نہ تھا جس کے بارے میں انہوں نے یہ فرمایا کہ میں جاؤں گا تو وہ آئے گا۔ جیسا کہ آگے اس کا حوالہ آ رہا ہے۔

② شیطان کا آنا کون سی بشارت ہے جس کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے مخلص حواریوں کو خوشخبری سنانے پر مجبور تھے؟

③ اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب (باپ) سے درخواست کر کے شیطان کو بھجوا دیا تھا؟ شیطان کو کسی نعمت یا غیر مترقبہ تھی جس کے لیے انہوں نے درخواست کی؟

④ اور کیا عیسائی شیطان لعین کو اپنا مددگار - بھگتے ہیں؟ اگر سچ شیطان ان کا مددگار ہے تو ان کا مخالف اور دشمن کون ہے؟

⑤ اور کیا شیطان کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر بھیجا تھا۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔

کے لیے پادری صاحبان ہر وقت کمر بستہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جو بشارت دی ہیں۔ ہم بطور نمونہ مشتے از خرواہے چند عرض کرتے ہیں:-

① "اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے" (انجیل یوحنا باب ۱۴-آیت ۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اس آنے والے مددگار (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی شریعت ابدی ہوگی اور اس کو کوئی نسخ نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ وہ جامع تر اور تمام اقوام عالم کے لیے موزوں ہوگی۔

② "لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہے وہ سب تمہیں یاد دلانے گا" (انجیل یوحنا - باب ۱۴-آیت ۲۶)

یعنی جیسے میں نبی ہوں اسی طرح وہ بھی نبی ہوگا اور نبی اور رسول ہی کے نام اور وصفت سے اُس کو خدا (باپ) بھیجے گا۔ نہ تو وہ خدا ہوگا۔ نہ خدا کا بیٹا اور نہ خدا کی جزو۔ یہ یاد رہے کہ یہاں باپ کا لفظ محض مجاز اور تشفی کے طور پر استعمال ہوا ہے نہ کہ حقیقت کے طور پر۔ عیسائیت کا پس منظر میں ہم نے اس کی کچھ بحث کر دی ہے۔

③ "اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔ اور مجھ میں اُس کا کچھ نہیں" (انجیل یوحنا - باب ۱۴-آیت ۳۰)

یعنی میں تو صرف بنی اسرائیل کا رسول ہوں اور صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی ہیروں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ مگر وہ آنے والا دنیا کا سردار ہوگا اور جو کالائت اور درجات اُن کو حاصل ہوں گے وہ مجھے حاصل نہیں ہیں کیونکہ مجھ میں اُس کا کچھ نہیں۔

کی خبریں سنے گا وہ میرا جلال ظاہر کرے گا اس لیے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے نہیں
خبریں سنے گا وہ جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرے اس لیے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی
سے حاصل کرنا ہے اور تمہیں خبریں دینگا (یوحنا باب ۱۶ - آیت ۳۲ - ۱۵)

الغرض پادری صاحبان کی جملہ ریکیات و تحریفات کو انجیل مقدس کا ایک ایک
جملہ اور ایک ایک آیت ایسا تو کرتی اور ان کے ایسے نیکیے اُدھیر پڑتی ہے کہ ساری دنیا کے
پادری بشمولیت پاپائے روم اس کو رد نہ کر سکیں۔

۵ اور اس سے بڑھ کر انجیل برنباس میں صریح الفاظ میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی آمد کی بشارت موجود ہے۔ اور غالباً اسی صریح بشارت کو دیکھ کر پڑھ کر بعض
پادری صاحبان نے بوجھل ہٹ کے عالم میں بدحواس اور لاجواب ہو کر سر سے انجیل
برنباس کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے مگر ان کے انکار سے کیا بنتا ہے؟ کیا ثابت شدہ
حقیقت بھی کسی کے انکار سے معدوم ہو سکتی ہے؟ اور انصاف کی دنیا میں ایسے مطلب
کے انکار کو کون سُنتا ہے۔

حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ۔

”پس جب کہ آدمیوں نے مجھ کو اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا تھا مگر یہ کہ میں خود دنیا
میں بے گناہ تھا اس لیے اللہ نے ارادہ کیا کہ اس دنیا میں آدمی یہود کی موت
سے مجھ سے ٹھٹھا کریں یہ خیال کر کے کہ وہ میں ہی ہوں جو کہ صلیب پر مر رہوں
تاکہ قیامت کے دن میں شیطان مجھ سے ٹھٹھا نہ کریں اور یہ بدنامی اس وقت
تک باقی رہے گی جب کہ محمد رسول اللہ آئے گا جو کہ آتے ہی اس فریب کو لوگوں
پر کھول دے گا جو کہ اللہ کی شریعت پر ایمان لائیں گے اور انجیل برنباس فصل ۱۲

۶ اور کیا شیطان وہ باتیں لوگوں کو داور خصوصاً بنی اسرائیل کو سکھاتا رہا جو حضرت
عیسیٰ علیہ السلام ان کو سکھاتے رہے۔ وہ تو صاف فرماتے ہیں کہ وہی تمہیں سب باتیں
سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تمہارے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلانے گا۔

۷ اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ ایلیس بعین بھی باکمال اور صاحب
فضائل اور دنیا کا سرواں ہے؟ جو جو کجالات اس میں ہیں وہ مجھے حاصل نہیں ہیں۔ مجھ
میں اس کا کچھ نہیں ہے کیا پادری صاحبان کے نزدیک شیطان واقعی صاحب فضائل
ہے؟ اور فضائل بھی ایسے جو حضرت یسوع مسیح کو حاصل نہیں۔

۸ کیا عیسائیوں کے نزدیک حضرت یسوع مسیح علیہ السلام نے شیطان کے آنے
کو فائدہ مند کہا ہے۔ وہ تو فرماتے ہیں کہ لیکن میں تم سے سچ لکھتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے
لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن
اگر جاؤں تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا (یوحنا باب ۱۶ - آیت ۷)

۹ اور کیا عیسائیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شیطان کو سچائی کی روح
کہا ہے؟ اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ شیطان تمہیں تمام سچائی
کی راہ دکھائے گا؟ اور کیا حضرت یسوع نے یہ فرمایا ہے کہ شیطان اپنی طرف سے
نہ کہے گا بلکہ جو سنے گا وہ کہے گا؟ اور کیا شیطان آئندہ کی خبریں دے گا؟ اور کیا شیطان
حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کا جلال ظاہر کرے گا؟ (معاذ اللہ) وہ تو صریح الفاظ
میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

”لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا،
اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ

آیت ۱۹-۲۰۔

انجیل برتباس کے اس حوالہ کا ذکر پادری سیگل صاحب نے بھی کیا ہے۔ دیکھئے
مقدمہ ترجمہ قرآن مرقومہ پادری سیگل صاحب مطبوعہ ۱۳۵۵ھ

تورات و انجیل کی ان روشن بشارات کے بعد بھی اگر عیسائی جناب محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کو تسلیم کرنے میں تامل کرتے ہیں تو اس کا مطلب
اس کے بغیر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ انتہائی ہٹ دھرم اور حق ناشناس ہیں جس کا علاج
اس جو مان میں تو عادات ممکن تھیں، ہل مارنے کے بعد ضرور آنکھیں کھلیں گی اور وہ ان
پر شکست ہوگا کہ انکار حق اور تحوّل کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ اور حق کا تعاون کرنا اور ساتھ
دینا کس قدر رضائے الہی کا حامل اور ابدی خوشیوں پر منتج ہوتا ہے۔

بالآخر خداوند کریم کا وہ منظر جمال و جلال سینا اور تیسرے طلوع ہوتا ہوا کہ فاران
سے آتشیں شریعت نے کر جلوہ افروز ہوا اور اس نے بھٹکی ہوئی دنیا کی رہنمائی کی اور
اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیین کا اعلیٰ اور اکمل خطاب پایا جنہوں نے دنیا میں وہ
انقلاب حق برپا کیا جس کی نظیر ملنا محال ہے جس سے عرب و عجم اور یورپ و ایشیا
ممتنع ہوئے اور حق و باطل کو یوں متمیز کر دیا کہ اب اس میں شک و شبہ کی مطلق گنجائش
ہی نہیں مگر پرکھنے والی نگاہ درکار ہے۔

حقیقت: ہر نقاب، زندگی سے رونما ہوگی

نظر کی قوتوں کو امتیاز حق و باطل سے

رحمۃ مہداتہ { جس دنیا کے سردار، روح حق، رحمت مہداتہ اور اشرف کائنات
اسی بشارت اور خوشخبری حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام

نے دی تھی۔ جب وہ تشریف لائے تو رب ذوالمنن نے اپنے پاک کلام میں انہیں
رحمۃ للعالمین کے مبارک القاب سے پیش کیا۔ اور پیش محض اس لیے کیا ہے تاکہ
آئے والے انسانوں کو بتا دیا جائے کہ جو شخص انسانیت کے شرف اعلیٰ کے مقام
بلند پر فائز ہونا چاہتا ہے۔ وہ اپنے خصائص و شامل اخلاق و عادات کو امام الایمان
اور سید الرسل کے اسوۂ حسنہ اور اعلیٰ معیار پر پرکھ کر دیکھے کہ کہاں تک وہ شرف
انسانیت کا حامل اور کس قدر روحانیت کا دلدلہ ہے۔ جس قدر کوئی شخص آپ کے
اسوۂ حسنہ اور عمدہ پیمانے پر پورا اترے گا۔ اسی قدر اس کی ایمانی کیفیت بڑھتی،
عملی طاقت نمایاں ہوتی، انفرادی صلاحیتیں نھرتی اور اجتماعی زندگی سلسلوی جلی جاتی
گی۔ کیونکہ لَعَدُ کَانَ لَکَھُ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَسْوۃٌ حَسَنَۃٌ یعنی بے شک تمہارے لئے
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین نمونہ ہیں۔

اور یہ بالکل ایک واضح حقیقت ہے کہ جب انسان نبوت و رسالت کی شان راہ
سے ہٹ جاتا ہے تو انسانیت کش اور مملکت جراثیم ہر طرف سے اس کے رگ در پٹنے میں
سرایت کر جاتے ہیں تو نہ اس میں ایمان و عمل اور اخلاق و روحانیت کی بھٹکی باقی رہتی
ہے اور نہ اس کی بات اور وعدے کا یقین ہوتا ہے۔ نہ تو وہ خوف خدا اور تقیہ سے
بہرہ ور ہوتا ہے اور نہ اس کی خودی میں استقلال نظر آتا ہے۔ وہ انسان سے ادنیٰ لالچی
و طمع پر بھی بڑی سے بڑی متاع انسانیت بلکہ رخت ایمان کو قربان کرنے پر بلاتا ہے اور
ہو جاتا ہے اور ذرا سا دنیوی اور مادی خوف بھی اس کی فانی زندگی کے ہر شعبہ پر عالم
نزع اور سکرات موت طاری کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے اور وہ ہر جہل پکار اور آواز
کو اپنے خلاف سمجھتا ہے۔ یَحْسَبُونَ کُلَّ صَیْبٍ مِّنْ سَیْبٍ عَلَیْکُمْ غُرُوبٌ وہ صراحتاً

تلاوت کتاب اللہ

يَسْلُؤْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

الآيَاتِ

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فضل بیان کئے ہیں ان میں ایک فریضہ تلاوت کتاب اللہ بھی ہے، چونکہ آپ کے اولین مخاطب اہل عرب تھے جن کی مادری زبان عربی تھی، جو اپنے وقت میں فصاحت و بلاغت اور نطق و بیان کے امام سمجھے جاتے تھے، وہ محض قرآن پال کی تلاوت ہی سے اس کا مطلب و معنوم سمجھ لیتے تھے اور اس کی شریہنی اور محسوس دلائل سے لطف اندوز اور متاثر ہوتے تھے۔ قرآن کریم کا طرزِ ادا، اسلوب بیان اور ترغیب و ترہیب کا انداز اس قدر سادہ اور موثر ہے کہ اس سے جس طرح ایک بڑے سے بڑا فلسفی محظوظ ہوتا ہے اسی طرح اس کے دلکش بیان سے اونٹوں اور بکریوں کا چرواہا بھی اثریے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور جیسے ایک ماہر فلسفی اور عالم اس کے اندازِ بیان پر دلچسپی دیتے پر مجبور ہے اسی طرح ایک سادہ بد مذہبی اس کے پند و موعظت اور شد و ہدایت کے ہمہ گیر اصول پر صدائیں کئے پر مجبور ہے۔ یہ قرآن کریم ہی تھا جس نے ہمارے جیسے مضبوط دلوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ان میں ایمان و اصلاح کا حکم بویا جس سے اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کے شیریں ثمرات نمودار ہوئے۔ قرآن کریم وہ اعلیٰ کامل کتاب ہے جس پر کوئی میٹھی تر بھی بات نہیں۔ عبارتِ انتہائی علیٰ و فصیح، اسلوب بیان نہایت موثر و سنگینہ اور قصیدیم

مستقیم اور اسوہ حسنہ سے الگ ہو کر بدعتیہ و بدعتی و بے علمی و بے عینیتی و بے غیرتی، کم ہمتی و پست فطرتی، تنگ نظری و بدعتی و بدعتی گوئی و سباز سازی، مکاری و عیاری، منافقت و تلون مزاجی، ابد مزاجی و بد اعتنائی، عیاشی اور تن آسانی کے عینیت اور پُرخطر گڑھے میں گر جاتا ہے جس سے پند و موعظت سے متاثر ہو کر سینکڑوں جھلکلیں لگنا بھی اس کے لیے سود مند نہیں ہوتا اور اس قدر لذت سے اس کا نکلنا اگر عادتاً محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے مگر ہاں جس کو ربِّ قدیر اس سے نکلنے کی توفیق مرحمت فرمائے تو اس کے لیے کچھ دشوار نہیں کیونکہ کلیہ کامیابی اور مفتاح کامرانی اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

گھر جہول میں نہاں ہیں خدا ہی سے تو ملیں
اُس کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

ہر مسلمان کا یہ ایمانی اور اخلاقی فریضہ ہونا چاہیے کہ وہ خدا نے بزرگ و بزرگ کا صحیح مطیع اور اس کی عظمت و کبریائی کا ہر وقت، یقیناً و اذعان کرے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و عمل میں آپ کی اتباع و فرمانبرداری کو اپنے گلے کا زین مار بنائے تاکہ وہ اپنی خلقت کا مقصد سمجھ سکے اور اسی محور کے گرد اس کے علم و عمل کی قوت گھومتی رہے اور وہ کامل یقین کر لے کہ اس کے لیے ربِّ حقیقی کے دروازے کے بغیر تہ قل و انکار کا کوئی اور مقام نہیں اور حضرت، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جادہ مستقیم حکمِ آئین اور شریعتِ غر پر عمل کئے بغیر اور کوئی چارہ نہیں ہے۔
شرابِ خوشنوازم بہشت، دیارِ مہربان ساقی
نذر دینج کس یارے چنیں یارے کہ مرن دارم

ہیں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، قرآن کریم کے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے کبر قدر بدحواس ہو جاتے تھے اور قرآن مجید کی آیات کی معجزانہ آواز ان کے لیے کس قدر مشکلات پیدا کر دی تھیں :-

بڑھ گیا رنج والہم زائد سے زائد اور بھی
ہو رہا ہے مضطرب بعد سکون دل اور بھی

تزکیہ نفوس

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اہم فریضہ اور منصب تزکیہ نفوس بھی تھا یعنی کفر و شرک بدعت و معصیت، بد اخلاق اور بد کرداری اور ہر قسم کی انسانی اور روحانی آلائشوں سے مخلوق خدا کو بہترین تعلیم خدا و روحانیت اور اعلیٰ اخلاق کے ذریعہ پاک کرنا اور دلوں کو ناجھما جھکڑ کو مہتل بنانا اور رشد و ہدایت کا راستہ بتانا اور پوری دل جمعی اور وسوسوں کے ساتھ ان کو غضب الہی سے ڈرا کر تعلق مع اللہ چڑھنے کی تلقین کرنا جہنم سے بچنے اور جنت کی دائمی راحتیں حاصل کرنے کا موثر وسیع پیش کرنا حتیٰ کہ دنیا و آخرت کی تمام کامرانیوں اور شان و نمایاں حاصل کرنے کی ترغیب دینا آپ کا ایک عمدہ کام تھا۔

تزکیہ نفس کا یہ ارفع مقام قرآن و سنت کے عام مضامین پر عمل پیرا ہونے اور خصوصاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور فیض کی برکت سے حاصل ہوتا تھا۔ جس قدر جس کی قابلیت اور استعداد ہوتی تھی اور جس قدر کسی کا شیشہ دل صاف ہوتا تھا اسی قدر اس میں معرفت الہی کا عکس اور نقش بڑو و منقش ہو جاتا تھا اور یہ بالکل ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو آپ کی مبارک صحبت میں دل کی جو صفائی

بے حد متوسط و معتدل ہے جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے بالکل مطابق ہے۔ اس میں افراط و تفریط کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہے۔ اس کا ہر مضمون چمکا ہے۔

قرآن کریم کے ذریعہ سے جب وحی الہی کی بارش ہوتی ہے تو تسلیم کرنے والوں کے دلوں میں ایمان کا پودا اگتا، پھرتا، پھوٹتا اور پھلتا ہے اور اس کی بدولت رضائے الہی کے ثمرہ شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملتا ہے۔ قرآن پاک کی اس شیریں مقالی سے گھبرا کر کن رقریش یہ مغلوبہ باندھنے پر کمر بستہ ہو گئے اور بالا آخر اس پر عمل کر ہی دکھایا کہ :-

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا
لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا لَعَلَّكُمْ
تَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾ (خم السجدة - ۴۰)

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ :- وَهُمْ يَنْهَكُونَ عَنْهُ وَيُمْنُونَ عَنْهُ۔
پ ۴۔ الانعام - ۳ کہ وہ لوگوں کو قرآن پاک کے سننے سے منع کرتے ہیں اور خود دھوکے
بھاگتے ہیں۔

اور صحیح روایات (مثلاً بخاری ج ۱ ص ۵۵۵) میں حضرت ابو بکرؓ پر پابندی کے واقعہ سے یہ ثابت ہے کہ کفار مکہ نے اہل اسلام پر یہ سنگین پابندی عائد کر رکھی تھی کہ وہ بلند آواز سے قرآن کریم نہ پڑھیں کیونکہ ہماری عورتیں اور بچے اس سے متاثر ہوتے ہیں اور ہمارے آبائی دین میں رخنہ پڑتا ہے اس سے بڑھ کر شکست کا اور کیا مظاہرہ ہو سکتا ہے ؟ اور اس سے یہ بھی بخوبی آشکارا ہو گیا کہ وہ لوگ بھی جو اپنی فصاحت و بلاغت

کہا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس مجاہد ظلم سے وہ ظلم زد نہیں جو تم سمجھ اور کہہ رہے ہو بلکہ اس مقام پر ظلم سے شرک مراد ہے جیسا کہ لقمان حکیمؑ نے اپنے بیٹے سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :-

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (پاکستان)

اس سے یہ امر بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کو باوجود اہل لسان ہونے کے اور رمز شناس رسول ہونے کے جن کے دلوں کو آپ کے فیض صحبت سے خوب جلا

نصیب ہو چکا تھا، بسا اوقات اس کی ضرورت پیش آتی تھی کہ قرآن کریم کا صحیح مفہوم

ان کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھاتے، تب ان کو وہ سمجھ میں آتا تھا اور آپ کے

سمجھائے بغیر وہ اصل مطلب سمجھنے سے قاصر رہتے تھے۔ جب صحابہ کرامؓ کو تعلیم اور تعلم

کتاب کی حاجت درپیش ہوتی تھی تو بعد کے لوگ کیونکر احادیث رسول صلی اللہ علیہ

سلمؐ اور صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی تعلیم کے بغیر قرآن کریم کا صحیح مطلب سمجھ

سکتے ہیں؟ اور خصوصاً زمانہ حال کے متفسر کہ نہ تو زبان عربی، نہ ماحول اسلامی، نہ

صدقین اور شکلیں اسلامی اور نہ اخلاق و کردار اسلامی، محض قلم اور ادب کے زور سے

مفسر بن بیٹھنا اور یہ دعوے کرنا کہ قرآن کریم کی صحیح ترجمانی اور عمدہ تفسیر بس ہم ہی کر سکتے

ہیں، اسلامی نقطہ نظر سے جنون اور سواد کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اور ایسے لوگوں نے خدا تعالیٰ

کی مظلوم کتاب کی ایسی کھلی تحریف کا ارتکاب کیا اور مطلب و مراد کو ایسا بدلا و سرخ

کیا ہے کہ یہود کے بھی انہوں نے کان نہ ڈالے جو فن تحریف کے ماہر اور مشاق تھے۔

نعوذ باللہ منہ سے نہ حمل ہے نہ حمل کا کوئی دیوانہ برسوں سے

الم أجری ہوئی ہے منزل ویرانہ برسوں سے

چند لکھوں میں حاصل ہوتی تھی، وہ بعد کو سالہا سال کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے بھی کسی کو نصیب نہیں ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے زمانوں میں سلف صالحین نے شرعی حدود میں رہ کر جو ریاضتیں اور مجاہدے اور ان کے طریقے اختیار کئے صحابہ کرامؓ کو ضرورت اور حاجت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے بعد سے بھی شاید واقعہ نہ ہوں حضرت حنظلہ بن ربیع الاسیدیؓ اور المتونیؓ بعد از حدیث کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آپ کی مجلس میں آپ کے وعظ و نصیحت کی برکت جنت اور مرضی گویا ان کو آنکھوں سے نظر آتی تھیں۔ مگر مجلس کے باہر ان کے دلوں کی کیفیت باقی نہ رہتی تھی۔ بعض صحابہ کرامؓ کو اس وجہ سے منافق ہونے کا شبہ ہوا مگر آپ نے فرمایا کہ یہ نفاق نہیں ہے۔ (مجلس ج ۱ مشکوٰۃ ص ۱۹۷ عن مسلم)

تعلیم کتاب

اگرچہ صحابہ کرامؓ اہل زبان تھے اور اکثر و بیشتر مضامین کو وہ نفس تلاوت ہی سے سمجھ لیتے تھے مگر بعض اوقات خاص مواقع میں اس کی حاجت اور ضرورت بھی پیش آتی تھی کہ آپ قرآن کریم کی اصلی مراد اور صحیح مفہوم کو بیان اور متعین فرما کر ان کے تردد اور شبہات کا ازالہ فرمادیا کرتے تھے، اس کی متعدد مثالیں کتب حدیث اور تفسیر میں موجود ہیں مثلاً ایک یہ ہے کہ جب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ جن لوگوں نے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہ ملایا تو اسنی لوگوں کو امن نصیب ہوگا اور وہی ہدایت یافتہ ہوں گے اس پر صحابہ کرامؓ نے اس کے اصل مطلب اور مراد کو نہ سمجھتے ہوئے برائے تسلی یہ اشکال پیش کیا کہ پھر تو ہماری خیر نہیں ایسا نہ دیکھو۔ ہم میں ایک کون ہے جس نے ظلم نہیں

الحکمت سے کیا مراد ہے؟

حکمت کے معنی دانائی، بصیرت، دین کی سمجھ اور ہر عمدہ کام کے آنے ہیں جس حکمت اور دانائی کی تعلیم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس کی نظیر دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اور اس مقام پر حکمت کے مراد، تصریح مفسرین کرام رحمہ اللہ عظام رحمہ اللہ سنت ہے۔ چنانچہ عمدۃ المفسرین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۲ھ) پہلے پارے کی تفسیر کرتے ہوئے الحکمة کا معنی اور تفسیر یوں نقل کرتے ہیں کہ:-

الحکمة یعنی السنة قاله الحسن حکمت سے مراد سنت ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ وقتادۃ و مقاتل بن حیان رحمہ اللہ وقتادۃ و مقاتل بن حیان رحمہ اللہ مالک رحمہ اللہ وغیرہم (تفسیر ۱۸۴ھ) وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

اور امام اہل سنت و مقتدائے ملت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ الحکمة السنۃ (بحوالہ فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۴۴) حکمت کے مراد سنت ہے۔ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۰ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ:-

والحکمة هي السنۃ بالفاق التلف حکمت سے سلف صاحبین کے انفاق (کتاب المروم ص ۹۲) سے سنت مراد ہے۔

جس طرح کتاب اللہ منزل من اللہ ہے، اسی طرح حکمت، سنت اور حدیث بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ قرآن کریم کا ایک ایک حرف متواتر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور حدیثیں سب متواتر نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں حدیث قدسی کے سوا باقی احادیث کے الفاظ اور تعبیریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ہے۔ (بشریکہ روایت بالمعنی ازہم اور ان الفاظ کے معانی مضامین اور احکام منزل من اللہ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-
وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ د اللہ تعالیٰ نے اُناری تجھ پر کتاب و سنت
الْحِكْمَةَ وَعَلَّمْنَاكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَر اور تجھ کو اُس نے وہ باتیں سکھائیں جو تو نے
كَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ○ جانتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا فضل تجھ پر بہت
(پ ۵- النار- ۱۷) بڑا ہے۔

اس سے آفتاب نیروز کی طرح یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جس طرح کتاب اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اسی طرح حکمت اور سنت بھی منزل من اللہ ہے اور کتاب و سنت کے ذریعہ جو جامع شریعت، اور اکمل دین اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمایا ہے، وہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل اور احسان ہوا ہے۔ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:-
أَلَا أُنَبِّئُكَ أَنَّ الْقُرْآنَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ خیر دار تجھے قرآن کریم بھی دیا گیا ہے اور اس کے
الْحَيْثُ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۷ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۹) ساتھ ہی اس کی مانند اور بھی عطا کیا گیا ہے
اور اسی مثله، معاً کا نام الحکمت، سنت اور حدیث ہے جس کو وحی نخی اور وحی غیر متلو سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت حسان بن عطیہ تابعی رحمہ اللہ (المتوفی بعد ۱۸۰ھ) سے منقول ہے کہ:-
کان جبیر ایل ینزل علی النبی صلی جس طرح حضرت جبیر ایل قرآن کریم آنحضرت
اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما ینزل بالقرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر لاتے تھے، اسی طرح سنت

باوجود ان دلائل کے کچھ علماء اور فریب خوردہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا ایمان سنتِ محدثہ پر نہیں اور ہم اس کے ماننے کے باندہ نہیں ہیں (معاذ اللہ)

غرضیکہ انھوں نے آیت کویدہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم منرائض میں تلاوت آیات، ترک تہ نفوس، تعلیم کتاب اللہ اور تعلیم حکمت و سنت بھی تھی۔ اور اسی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرما کر مومنوں پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ اور آپ کی بدولت سارے جہاں کو علم و اخلاق کے گراں با برقیوں سے سوز کیا ہے۔ حتیٰ کہ عالم کا کوئی سا خطہ بھی آپ کی عمدہ تعلیم سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

کتا عالمگیر تھا تبلیغ الفت کلوزغ
گوتے گوتے میں جہاں کے روشنی ہوتی گئی

ضلالِ مبین

قرآن مجید نے اپنے معجزانہ اور بیغناء الفاظ میں ایامِ جاہلیت کی پوری داستان اور روئے زمین پر بسنے والی اقوام کی اخلاقی پستی کا خاکہ بول کھینچا ہے۔ قرآن کا نوا امن قبل مکہ، صلوات مبین اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آفتابِ نبوت کے طلوع ہونے سے پہلے سارے جہاں میں شبِ ظلمت تھی۔ دنیا کا چہرہ چہرہ ذام و قبائح کا گوارہ تھا۔ بجز معدود سے چند نیک دل حضرات کے پوری سطحِ ارضی پر کہیں بھی اخلاق و محاسن کا وجود نہ تھا۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحیح تعلیم مفقود تھی۔ توحید خالص اور فکرِ آخرت عقائد تھی و شرافت و دیانت ناپید تھی،

دواری مکہ و فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۲۸) اور حدیث بھی لاتے تھے
جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و سنت کو مضبوطی کے ساتھ تھما کر کرنے کا جو حکم ارشاد فرمایا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی معایت میں ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا ذُرِّيَّتِي مَا بَيْنَ يَدَيْكُمْ
مَا أَنَا بِمُتَعَبٍ مِّنْ تَعْلَمُوا
أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا ذُرِّيَّتِي مَا بَيْنَ يَدَيْكُمْ
وَمَا أَنَا بِمُتَعَبٍ مِّنْ تَعْلَمُوا
کہ لے لوگو! بیشک میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم ان کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

اس سے زیادہ وزن دار الفاظ میں کتاب و سنت کی پابندی کے بارے میں آپ اور کیا ارشاد فرماتے؟ حجۃ الوداع سے بڑھ کر اور کس موقع پر فرماتے؟ اور ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاک مجلس اور مبارک محفل کے علاوہ اور کس سے ارشاد فرماتے؟ ایک طرف تو آپ نے کتاب اللہ پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ سنت پر پابند رہنے کی بھرپور جمع میں تاکید اور تلقین فرمائی اور دوسری طرف ہمارے سنت کے حق میں وعید شدید ارشاد فرمائی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (المتوفاة ۶۱ھ) سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قوم کے آدمیوں پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر لعنت برستی ہے آخر میں فرمایا کہ:-

وَاللَّوْلَةُ لَسْتُ (متحدکہ ج ۱، قال الحاكم والذہبی رحمہما)

ایک ان میں میری سنت کا تارک بھی ہے

مشرم و جیا کا فقدان تھا، اور معایت اور نصیحت نابود تھی۔ عرب و عجم و چین و جاپان
ہندو سندھ، یورپ و ایشیا کوئی ملک طرانی حال سے مستثنی نہ تھا۔ مظلوم و مقہور انسان
ظلم و ستم اور مصائب و فوائب کے گراں بوجھ کے نیچے دب گیا تھا اور بزبان حال یوں کہتا تھا
مے
مٹبہ تارکیک و بیم موج و گرداب چنین حاصل
کجا دانند حال ما سبک سارین ساحل رمل

متحدن اقوام

اُس وقت کی متحدن اور مذہب اقوام میں مصر و یونان اور روم پر فہرستہ میں
مگر ان کے ملل متحد، چاند اور تیاروں کی خدائی تھی اور انہی کے ناموں پر بے گناہ
انسانوں اور بے زبان جانوروں کی قربانیاں چڑھائی جاتی تھیں۔ مٹی، سونے، چاندی
اور جواہرات کی پرستش اور پوجا عام تھی۔ توحیدِ خالص اور خدا پرستی کا لورہ دلو تاروں،
دیولوں، ستاروں، مجسموں، شہیدوں، دیولوں اور بزرگوں میں چھپ گیا تھا۔ استغنا
اور استعدا و نذریں اور مسجدے، کواکب و ہیاکل اور ثوابت و سیارات کی نند ہو گئے تھے
خدا کی اختیار و صفات بغیر اللہ کو الٹ کر دیے گئے تھے (معاذ اللہ)۔ عقل و عذر
کو جباران احسان و انان پر صدقہ کر دیا گیا تھا۔ بہت کدے اور صنم خانے تو آباد تھے مگر
دل کی بھڑی ہوئی بستی عرفان رب حقیقی سے نابہد تھی۔ اگر بگاڑ اور بغاوت تھی تو صرف
ایک پروردگار سے۔ اگر بے پروائی اور استغناء تھی تو خدا تعالیٰ کے سچے دیول سے۔
باقی تمام دنیا سے صلح و ماستی تھی، ان کی مغروس پیشانیاں شمس و قمر اور بحر و بر

کے سامنے تو جھکنے پر تازاں تھیں، لیکن خالق کائنات کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے غرق
اور ابا کرتی تھیں۔ وہ اپنے فلسفہ اور منطق، حکمت اور قانون سازی کی راہ سے اقوام عالم پر
اپنا سکہ تو جھانکے، پر اپنے دلوں میں محبت خداوندی اور اطاعتِ رسل کو جگہ نہ دی،
اور اس کے سوا زمانے الہی کس کو حاصل ہو سکتی ہے؟ مے

قرے در کے سوا ان کو کہیں سے کچھ نہیں ملتا
طلب ہے جن کو نفرت مانگے سے عار ہے مولیٰ

ایران کے مجوسی

ایران کی سلطنت اپنے دور میں ایک منظم حکومت اور سلطنت تھی اور زمین کے
بیشتر حصہ پر ان کا قبضہ اور تسلط تھا۔ کجکلاہ ایران کا شہرہ آفاق میں پھیلا ہوا تھا۔ لیکن
بایں ہمد اقتدار و مشرت، اخلاقی و روحانی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ان میں ایک گروہ نے
برغم خویش نیکہ فتنی اور اخلاص سے بدی کو ختم کرنے کا منصوبہ اور طریقہ یہ اختراع کیا کہ
عزت گوشہ نشینی اور ترک ازدواج کا راستہ اختیار کیا جائے تاکہ خود بخود نسل انسانی ختم ہو جائے
اور بدی کا اس طرح خاتمہ ہو کہ نہ ہے باس نہ ہے باسری۔ دتاریخ غر، اخبار الفرس مکتا
از ثعلابی طبع پیرس) گویا احساس کستری نے ان کو بجائے اصلاح حال کے بارغ دنیا کے
اجاڑنے پر آمادہ کیا۔ مگر جب تک باغبان ازلی کو یہ گلستان باقی رکھنا منظور ہے کون اس
کو اجاڑ سکتا ہے۔ کیونکہ ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہو۔

اور مملکت ایران ہی میں ایک اور طائفہ جس کا پیشوا مزدک تھا قوم کی برتری اور برہنہ
کا یہ جذبہ اور ولولہ لے کر اٹھا کہ بدی کے اسباب بالعموم تین ہیں، زمان، زمین اس لیے

یہود

یہ ارباب علم اور اصحاب کتاب کا وہ تقدس مآب طبقہ تھا جو نہ صرف حضرت عزیر علیہ السلام جبار اور ربان کو جملہ خدائی اختیارات سونپ کر باب بنائے ہوئے تھا بلکہ خود بھی اس کا معنی تھا **خُنْ أَبْنَاؤُ اللَّهِ وَابْنَاؤُهُ** کہ ہم بھی خدا تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے اور لاڈلے ہیں (معاذ اللہ) حالانکہ پروردگار عالم نے ہزاروں انبیاء اور رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام ان میں مبعوث فرمائے۔ انہیں اپنی کتابوں اور صحیفوں سے نوازا۔ ظاہری اور باطنی حکومتیں مرحمت فرمائیں۔ جہانی اور دہائی لغتوں سے مالا مال کیا۔ سینکڑوں جتنی معجزات سے ان کی آنکھیں منہ نہ کیں۔ قوی سے قوی دشمن پر بھی ان کو فتوح و نصرت عطا کی اور اپنے دور میں بیشتر اقوام پر ان کو فضیلت عنایت فرمائی۔ لیکن جب ان کی بد قسمتی اور بد اعمالی کی وجہ سے محسوس ہوئی کہ وہ شروع ہوا تو انہوں نے ہی کے کسی پہلو میں کوئی کسر نہ چھوڑی، شرک و بدعت کو دین حق ثابت کیا اور خدا تعالیٰ کے معصوم رسولوں اور پیغمبروں کے ناحق خون سے اپنے ظالم ہاتھ رنگیں گئے۔ کتب الہی میں تحریف لفظی و معنوی کا سنگین جرم کیا اور حضرت نوح علیہ السلام پر مے نوشی اور برہنگی کا الزام عائد کیا۔ (تورات پر پیدائش باب آیت ۲۱) اور بلا استعارہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے رات بھر خدا تعالیٰ کی گفتنی لڑوائی۔ (پیدائش باب ۲۱، آیت ۲۲ تا ۳۰)

حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیوں پر اپنے باپ کو شراب پلا کر ان سے زنا کر کے نسل کو باقی رکھنے کی انسانیت سوز حرکت ان کے سر چھوٹی۔ (پیدائش باب ۱۱، آیت ۳۰ تا ۳۲) حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنی پڑوسن کو زنا سے عاملہ کرنے کا اخلاق کُشِ فضل

پر نظریہ قوم کے سامنے پیش کرنا چاہیے کہ عورت و دولت کسی کی خاص نہیں اور یہ مرد بندی کہ بعض عورتوں سے نکاح درست اور بعض سے حرام ہے قابل عمل نہیں جس مرد کا جس عورت سے جی چاہیے نکاح کر سکتا ہے۔ اور نتیجہ ظاہر ہے کہ اس دل پسند نظریہ کو مردوں اور عورتوں نے مانتا تھا (عزیر ص ۵۹)

پھر کیا تھا۔ باپ کا بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو زنجیت میں لے لینا اور دل کی انگلیں نکالنا اور دن رات رنگ ریلیاں مٹانا اور عیش کوشی کرنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ (عزیر ص ۶۲) اور عوام تو کیا خواص اور بادشاہوں تک اس جیسا سوز حرکت میں آلودہ تھے جن کے لیے حسین ترین عورتوں اور شاہزادیوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ چنانچہ شاہ ایران یزدگرد ثانی نے ستھ میں اپنی تختیجہ اور نور نظر بیٹی سے عقد نکاح کیا اور بعض خانگی مصالح کے پیش نظر اسے قتل کر دیا۔ (مذہبوں کی تاریخ عالم ج ۸ ص ۸۴)

اور اس بے حیائی کے باطل نظریہ نے بعض اہل عرب کو بھی متاثر کیا چنانچہ نقیض بن زرارہ نے جو ایک خالص عرب تھا اپنی بیٹی و ختنوں کو س سے نکاح کیا تھا۔ (محاضرات ج ۱ ص ۱۳)

اس سے بڑھ کر وقاحت اور کھینگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ نہ ماں کا لحاظ ہو اور نہ بیٹی کا، نہ داوی اور نانی کا پاس ہو اور نہ پوتی اور نواسی کا، نہ بہن اور بھتیجی کا خیال ہو اور نہ بھوپھی اور بھانجی کا، اور صدیوں اس جیسا سوز نظریہ پر عمل ہوتا رہا جو انسانیت کی روشن پیشانی پر گھٹک کا بد نما دارغ ہے اور شاید ایسے ہی لوگوں کے ہرے میں کہا گیا ہے کہ۔

منظور ہے کہ سیم تنزل کا وصال ہو

مذہب وہ چاہیے کہ زنا بھی حلال ہو

بطور رشوت ان کے سامنے عورتوں کے زیورات پیش کئے تاکہ وہ معمولی جعدے کے ان کو چھوڑ دیں۔ مگر حضرت ابن رواحہؓ نے فرمایا: خدا کی قسم! اے گروہ یہود! تم میرے نزدیک خدا کی ساری مخلوق سے معوض ترین ہو لیکن معذنا میں تم پر ظلم کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ باقی جر رشوت تم نے پیش کی ہے تو اس کو واپس لے جاؤ ہم حرام اور محنت کھانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہود نے سنا تو بے ساختہ بول اُٹھے کہ:-
فَعَالُوا۟ بِهٰذَا قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ اِسی عدل و انصاف کی بدولت آسمانوں
الارض۔ (رموط امام مالک ۲۹۳) اور زمینوں کا نظام قائم ہے۔

الحاصل کہاں تک ان کی بد اعمالیوں اور بد کرداریوں کا ذکر کیا جاتے۔ کوئی قباحت اور بُرائی ایسی نہ تھی جس کو انہوں نے اپنے گلے کا مار نہ بنالیا ہو اور کوئی بچی اور شرافت ایسی نہ تھی جس کو درپردہ انہوں نے خیر باد نہ کہا ہو۔ ہاں البتہ ظاہری کے لیے کچھ برائے نام اخلاق اور مفید مطلب اعمال پر وہ کار بند تھے تاکہ قوم کی طرف سے وظائف اور جاگیوں، شہادت اور مذکرانہ بند نہ کر دیے جائیں اور ان کے ظالم اور دوزخ نمابیت پر زور نہ پڑے اور ان کے مذہبی اور سیاسی مقتدا اس کی سعی اور کوشش کرتے تھے کہ ان کی گھناؤنی اور قابل صد نفرت زندگی کا رزق کسی پر افتاز نہ ہو۔ مگر اس سے کیا حاصل؟ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ۔

اگر جو شسٹوں کا جب ہو کر تا ہے بے پردہ
ہو ایں خود بدل دیتی ہیں نقدِ یگشتاں کو

عائد کیا اور پھر اس کے خاوند کو ان کے معصوم ہاتھوں سے قتل کروا ڈالا۔ (دمحومیل۔ باب آیت ۱۲۴) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف غیر معبودوں کی طرف مائل ہونے اور عورتوں کے عشق میں آلودہ ہونے اور بدی کی قبیح اور مذموم حرکت منسوب کی۔ (راہ سلطین باب آیت ۱۱۱)

الغرض خدا تعالیٰ کے معصوم غیروں پر وہ وہ الزامات تراشے کہ الخیظ والامان۔ یہود نے حدود النبی میں تفریق کی کہ صیغول پر قانون لاگو کیا اور امیروں کو چھٹی دے دی (بخاری ج ۲ ص ۱۱۱) اور جم کے مسئلہ کا انحصار کیا۔ (بخاری ج ۱ ص ۱۵۱)۔ سودی کا عبارت ان کا عزیز پیشہ تھا اور رہن ان کا مرغوب متعلق تھا، حتیٰ کہ مفسدوں اور ناداروں کی عورتوں اور بچوں تک کو رہن رکھنے سے نہ بچتے تھے۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۵۵) معصوم بچوں کو دو چار روپے کے معمولی زیور کے لیے جان سے مار ڈالتے تھے (بخاری ج ۲ ص ۱۵۱) بازاروں میں عورتوں کی عصمت دری کرتے تھے (سیرت النبی ج ۴ ص ۲۴۱) از سید سلیمان ندوی اور ان کے مذہبی اور روحانی پیشوا ایک دینار اور اشرفی کے لیے غریبوں کے ساتھ مکرو و خداع اور میرا پھیری سے باز نہ آتے تھے چنانچہ ایسے ہی ایک واقعہ قرآن پاک میں یوں آتا ہے:-

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَامَنَهُ رَبُّهُ لَخٰتُوْهُمْ اٰیٰتِہٖۤ اِلَّا مَا دُمْنٰتْ حٰیٰتُہٗمْ قَابِیْٓا۟ہٗۙ ۝۸۰ اَلْاٰلِ عِمْرٰن - ۸۰

اور بعض ان میں وہ ہیں کہ اگر تُو ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھے تو نہ او ا کریں
تجھے مگر جب تک ہے تو اس کے سر پر کھڑا۔

اور راشی تو اس قدر تھے کہ شاید ہی ان کا کوئی نظیر ہو۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو فتح خیبر کے بعد مہل کی پیداوار کا محصل بنا کر بھیجا تو یہودیوں نے

عیسائی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر چلنے والے نصرانی اور عیسائی جنہوں نے زمین و آسمان کی بہت سی بدکاریاں جمع کیں تھیں اور انجیل جیسی پند و موعظت سے پر کتاب کے مخالف اور متغیر قرار پائے تھے۔ کچھ عرصہ تو اپنے آسمانی دین پر کار بند تھے مگر خواہش انسانی اور ابتذال کا اثر ان پر بھی غالب ہو گیا اور بالآخر وہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک تو وہی اٹھ تھا جو مذہب کے نام پر جہلا اور اُمرائے سے خوب ٹوٹ کھٹوٹ کرتا اور ہر جائز و ناجائز طریقہ سے دولت و ثروت کا کرسموس و لمب اور عیاسی اور تن آسانی پر اڑتا اور جتنی غذا رکھتا رہا ہوں اور پادریوں کے دست و پاؤں پر رہتی تھیں، اتنی بادشاہوں اور بیٹوں کو بھی کبھی نصیب نہ ہوتی تھیں اور جن کی زندگی کا مقصد ہی زیستن برے خوردن معلوم ہوتا تھا (ملاحظہ ہو سیل صاحب کا انگریزی ترجمہ قرآن کا مقدمہ جلد ۲)

ایک مرتبہ ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ کے لیے پادریوں کا ایسا ٹنک اور اخلاق سوز اختلاف و منقائے شروع ہوا کہ حضرت ایک ہی دن میں ۱۲۷ آدمی کام آئے (بحوالہ مذکور) اس سے ان کی خُبت جاہ اور ہوس اقتدار کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اور ان کی جنسی ناہمواری کا حال ملاحظہ ہو کہ ایک دفعہ ہلڈیا نامی ایک جوان اور خوبصورت عورت درگاہ سکا پس آ رہی تھی کہ پادریوں نے اسے پکڑا اور رہ نہ کیا اور سڑک پر گھسیٹا اور پھر بدنامی کے ڈرتے کلیسا میں لے جا کر پیر کی با برکت گرز سے اس بے چارے کا خاکہ کیا اور بیٹوں سے اس کا گوشت جُدا کر کے اس کی نعش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نندا نش کر دیا۔ (دیکھیں جلد ۱۳۲)

اگر وقت کی وہ حسینہ عالم ان میں سے ایک ایک کے دل کو یہ کہتے ہوئے

سبقتی کہ دل نے تجھے مان لیا، تو شاید اس مظلوم کا یہ حشر نہ ہوتا اور ان مذہبی مندوں کے ہاتھوں اس کی یوں تحقیر و تذلیل اور امانت نہ ہوتی۔ مگر اس نے اپنی جان عزیز کر اپنی عصمت و ناموس پر قربان کر کے باجی عورتوں کیلئے ایک اچھی مثال قائم کر دی کہ

مری بربادیوں پر پہننے والے اب اس کے بعد تیرا استعمال ہے

عیسائیوں کا دوسرا طبقہ وہ تھا جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بجائے فحشاء اور لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے بجائے مکر و خدائی کی پیر میں بھاتی رہ نکالی کہ اپنے اہل و عیال اور اعزہ و اقارب سے بکسر و بکری اختیار کر کے جھگڑوں میں راہبانا و متفقہ ذمہ داری بسر کرنے پر اکتفا کر لی اور وہ دختر کے پتے اور جڑی بوٹیاں لکھا کر اپنا وقت پاس گزارتا اور بعض نے بیٹھ اور بکری کے دودھ پر گندرافات کی اور بخیال غریب اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور رضا حاصل کرتا لیکن وہ اپنی ان گناہ خانقاہوں اور زانیہ خمول میں پڑے ہوئے سجادوں پر راہبانہ ضرروں اور مریطہ نعموں کی دھن سے بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ دنیا کی حالت بجائے سونے کے اور بکرا گئی۔ یہاں تک کہ خود ان کے اہل و عیال بھی بدی اور بدحقیقی کے بھنور میں الجھ کر رہ گئے اور ان کے غریب و اقارب اور اہل دمانہ برائی کے دلدل میں پھنس گئے اور ضلالت و گمراہی کے ایسے عین گمراہی میں جا پہنچے جہاں سے ان کا نکلنا اور حال ہو کر رہ گیا اور یہ راہب د صوفی اپنے گرجوں اور خانقاہوں میں رہبانیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے اور مختصر جلد کشتیوں میں عمریں صرف کر دیں اور اس کی فکر اور خیال ان کو مطلقاً نہ رہا کہ قوم اور اہل و عیال پر کیا دیت رہی ہے اور ان پر بد اعمالی اور بد اخلاقی کے سیاہ اور گھنگور بادلوں کس طرح چھائے ہوئے ہیں اور ظلم و عدوان کی بھلیوں نے کس طرح ان کے غریب انانیت کو جلا کر خاک سیاہ

کو پڑھنے پر اپنے نفس کو اتنا وہ نہیں پاتا۔ اللہ کہ دل پر جبر کر کے پڑھے تو بات اور ہے۔
(ملاحظہ ہو سفر نامہ ابو زید رحمۃ اللہ علیہ اور احسن تقاسیم مقدسی رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۸)

جو اس حد تک رائج تھا کہ سونے اور چاندی کے سکے اور زیورات کا تو کیا عورتیں بھی جوڑے میں باری جاتی تھیں اور ازدواجی تعلقات میں ایسی بے راہ روی اختیار کر لی گئی تھی کہ ایک ایک عورت کے کسی کچی شہرہ ہونے تھے اور ان کی روحانیت کا یہ حال تھا کہ بعض فرقوں میں عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو ننگا کر کے ان کی شرمگاہوں کی پوجا کرتے تھے۔ (ستیارتھ پرکاش سمولاس گیارہ ص ۳۶ طبع لاہور) شاید وہ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ شرمگاہ ہی دنیا کی جڑ اور منبع نسل انسانی ہے، لہذا اس بابرکت اور کثیر المنفعت چیز کی پوجا کیوں نہ ہو؟ اور ایسے مردوں اور عورتوں کے ان کے نزدیک خاص القاب ہوتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:-

”اور جب کسی عورت یا دیشیا کو یا کسی مرد کو ننگا کر کے اور ان کے ہاتھ میں تلوار دے کر ان کی جائے سنائی کی پرستش کرتے ہیں تو عورت کا نام دیوی اور مرد کا نام ہادیو رکھتے ہیں“ (ستیارتھ پرکاش ص ۳۶)

شہرہ کے مرنے پر بعض عورتوں کو خود ان کے باپ اور بھائی اعزۃ واقارب زندہ نذر آتش کر دیتے تھے اور اس شنيع کارروائی کو اپنی اصطلاح میں وہ سستی کہتے تھے اور اس کی حکمت اور فلسفہ یہ بیان کرتے تھے کہ یہ عورت اپنے خاوند کے فراق کو گوارا نہیں کر سکتی اور اس کی مجسٹ والفت میں اپنی جان عزیز کو اس پر قربان کر دینے کے لیے بطیب خاطر رضا مند ہے۔ ممکن ہے بعض شہرہ سحر عورتیں اس قومی اور آبائی رسم کی وجہ سے اُس کو قربانی ہی تصور کرتی ہوں مگر حقیقی الوسع موت کو کون پسند کرتا ہے؟

کرنا ہے اور خواہشات نفسانی کا ان پر کس طرح استیلا ہے۔ ان راہبوں نے ان تمام خفاقی سے انعام کر کے صرف اپنی خالق ہوں اور جبر دل کو محفوظ رکھا۔ یہ شاخ گل پہ زم زموں کی دھن ترشتے ہے
نیشمنوں پہ بحسیوں کا کارواں گزر گیا

اہل ہند

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وہ بابرکت زمین ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کا آسمان سے نزل ہوا تھا۔ گویا اس لحاظ سے ہندوستان کی زمین وہ اشرف قطعہ ہے جس کے سب سے پہلے نبی کے مہاکم قدموں نے روندا جس پر ہزار ہا سال گزر چکے تا آنکہ نبی آخر الزمان کی بعثت کا دور نزدیک ہوا۔ اس وقت سرزمین ہند میں بدکرداری اور اخلاقی پستی اور فساد کا یہ عالم تھا کہ مندروں کے محافظ اور مصلحین قوم باخلاق کا سرچرچہ تھے، جو ہزاروں دریاؤں کے کناروں پر آباد تھے۔ نامور لوگوں کو مذہب کے نام اور شیعہ باندی کے گروہوں سے خوب ٹوٹے اور مرنے کی حد تک تھے۔ (دکھن - سی - وٹ - ج ۳ ص ۲۸) راجوں اور درباروں کے محلات میں بادہ نوشی کثرت سے رائج تھی اور دنیاں حالت خمار میں جا رہے عصمت و ناموس اُتار ڈالتی تھیں۔ (ایضاً ص ۲۹)

سرکوں اور شاہراہوں پر آوارہ گرد اور جہلم پیشہ افراد کا ہر وقت مجمع لگا رہتا تھا۔ (ایضاً ص ۲۹)۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی شریف انسان اور خصوصیت سے باحیا عورتوں کا دماغ سے گزرا وہ بال جان سے کم نہ تھا اور ہر وقت جان و عزت کا خطرہ درپیش رہتا تھا۔ دیو داسیوں اور عورتوں کی بد اخلاقی اور ہنسی جنون کی دل سوز حرکات اور حالت پڑھنے اور سننے سے بھی شرم محسوس ہوتی ہے اور کوئی شریف اور باحیا انسان ان

یہ اصول و ضوابط اور قوانین تھے۔ اہل ہند کے جس میں اچھوت اقوام کے لیے خیر خواہی کا ادنیٰ جذبہ اور ان کی ہمدردی کا ایک حرف بھی موجود نہ تھا۔ جو زبان حال شاید یہ جنموں کے ان خود ساختہ ملکی اور قومی قوانین پر آئینہ بھاتے ہوئے یہ کہنے ہوں گے۔

تم جو جیتے ہو نہ شستہ وہ نوشتہ کیا ہے؟

جس میں ایک حرف وفا بھی کہیں نہ گونیں

اہل عرب

ان میں بیشتر خاندان حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے جن کو آبا و اجداد کی طرف سے بہترین خالص توحیدی دین عطا ہوا تھا اور خاندان قریش خصوصیت سے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کی اسی برتری کی وجہ سے وہ کعبۃ اللہ اور مسجد الحرام کے متولی اور پاسبان قرار پائے تھے۔ عرصہ تک وہ صحیح دین پر قائم تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقسیماً تین سو سال قبل ایک شقی ازلی عمر و بن لُحی نے عرب میں بُت پرستی رائج کر دی اور لوگ اپنی جہالت اور عاقبت ناماندیشی کی بدولت بت پرستی اور شرک کے قلمک جرم کے مرتکب ہو گئے۔ ہر قبیلہ اور خاندان کا معبود اور بُت متعان اور حاجت ادا تھا۔ گھر گھر بُت پرستی تھی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کے پاک گھر کعبۃ اللہ میں انہوں نے تین سو ساٹھ بُت نصب کر دیے تھے جن میں خصوصیت سے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بچے قابلِ ذکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس پاک گھر کو انہوں نے معاذ اللہ صنم کہہ

ان کی اس ظلمتِ نہرِ رسم کا بعض مسلمان اور خدا پرستہ صوفی شاعروں نے بھی تذکرہ کیا ہے
حضرت امیر خسرو یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

خسروا در عشق بازی کم زہند وزن مباحش
کال برائے مُردہ سوز و زندہ جانِ غریشتن

اور جناب بیتل پشاور یوں کہتے ہیں کہ

باتو میگویم مباحش اے سادہ دل ہند و پسر
در طریقِ جالِ سپاری کم زہند و مخسر

اور برہمنوں نے اپنی قلبی تسکین اور سہولت کے لیے یہ چند نفس پسند قوانین وضع کئے اور تراشے تھے۔

(د) برہمن کو کسی حالت میں خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو سزا دے موت نہیں دی جاسکتی۔

(ب) کسی اونچی ذات کا مرد اگر کسی نیچی ذات کی عورت سے زنا کرے تو کوئی عرج نہیں۔

(ج) کسی بودھ راہب تک کی عصمت دری کی سزا میں معمولی جرمانہ کافی ہے۔

(د) اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے اور ہاتھ لگا دے تو اس کی سزا موت ہے۔

(۵) اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے تو اس کے اعضاء

کاٹ دیے جائیں۔ اور اگر اس کو گالی دے تو اس کی زبان قطع کر دی جاتی ہے اور اگر اسے

تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالنا چاہیئے۔

(دراستی۔ دت کی قدیم ہندوستان ص ۲۷۷)

اور وہ یہ خیال بھی کرتے تھے کہ جب کسی مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی روح ہمارے اور اُلوہ بن کر واپس جاتی ہے اور ان کا یہ زعم بھی تھا کہ بیٹ میں ایک سانپ ہوتا ہے جو غلیبہ بھوک کے وقت کاٹ کھاتا ہے اس لیے وہ بھوک کے وقت بلا اختیار حمل و حرام اور بدول تیز و تلب و خبیث جو کچھ بھی ملتا کھا جاتے تھے۔ اور پرندوں سے شگون لیتے تھے اور ان تمام بے اصل اہام کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے روک دیا کہ وَلَا طَیْرَ وَلَا هَامَ وَلَا صَغَرَ دَخَلَا ۝۱۸۶
وَشُكُوۡا ۝۲۱ (۲۹۱)

ان کی وہم پرستی کا اندازہ کیجئے کہ جب ان کے پاس اونٹنی دس بیچے جن چکی تو پھر اس کو چھوڑ دیتے اور اس سے کوئی کام نہ لیتے اور جب ایک ہزار اونٹ ان کے پاس جمع ہو جاتے تو ایک اونٹ کی آنکھ پھوڑ دیتے تھے تاکہ نظر بد نہ لگنے پائے۔ جب سفر پر جاتے تو کسی درخت پر گرہ لگاتے تاکہ ان کی غیر حاضری میں بیوی اگر خیانت کرے تو بہتہ چل جائے۔ اس کی حکمت تو وہی سمجھتے ہوں گے کہ درخت کی شاخوں وغیرہ کی گرہ اور بیوی کی خیانت کا کیا ربط و تعلق ہے۔ اور اگر کہیں راستہ بھول جاتے تو گرہ لگا دیتے تاکہ راستہ معلوم ہو جائے۔

(بلوغ العرب و اطوار العرب)

ضعیف الاعتقاد میں ان کا یہ نظریہ پیدا ہو گیا تھا کہ جو شخص عزتی کو کالی دے وہ بھڑ اور جندلم کی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (مسند دارمی ص ۵۹)

ظلم اور درندگی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ زندہ اونٹنوں اور دنبوں کی کمر لائیں اور پکیاں کاٹ کاٹ کر کھا جاتے تھے اور زندہ جانوروں کو درختوں سے بانڈ کر

بنار کھاتا اور مذہبی اعتبار سے وہ یہاں تک جزوی زندہ ہو گئے تھے کہ قبرستان کے علاوہ باقی لوگ بالکل برہنہ اور مادر زائونگے ہو کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے حتیٰ کہ عورتیں بھی معمولی سا چھتڑا اپنی کسر مگاہ پر بانڈ دیتی تھیں اور باقی ہمت تن برہنہ ہو کر طواف کرتیں اور ساحرانہ دستاں آواز سے یہ گاتی جاتی تھیں۔

اليوم يبدو بعضه او كله

فما بد امنه فلا احله (مسلم ج ۲ ص ۲۲۷)

یعنی آج کے دن بدن کا کچھ حصہ برہنہ ہوا سب اس وقت بھی ظاہر ہو میں اس کو کسی کے لیے حلال نہیں سمجھتی۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور بلد امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر اثر آگیا تو آپ نے اعلان کروایا کہ کوئی مشرک اور برہنہ کعبۃ اللہ کا طواف نہیں کر سکتا۔ اور سجدہ میں تو باقاعدہ کئی دن تک حضرت ابو بکرؓ کی قیادت میں اس کا اعلان ہوتا رہا۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۲۸)

اہل جاہلیت کچھ اس قسم کے عجائب پسند، ضعیف الاعتقاد اور وہم پرست ہو گئے تھے کہ ان کے واقعات پڑھ کر کوئی متین اور سنجیدہ آدمی تعجب اور حیرت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سانپ کو اس ڈر کے مارے وہ نہ قتل کرتے تھے کہ اس کا جوڑا ہمیں آکر ڈسے گا اور ہلاک کر دے گا۔ ان کے اس باطل عنذہ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک کر دے ہوئے یہ فرمایا کہ ۱۔

اقتلوا الحيات کلھن فمن خاف ثاوھن سب سائپوں کو قتل کیا کہ جو شخص نے ان کے انتقام کے ڈر سے انکو چھوڑ دیا تو وہ یہ نہیں ہے (ابو داؤد ج ۲ ص ۲۵۵)

والنوی من الجوع وفلس العویر
والسعد ولعبد الشجر والمجرفین
نحن کذا الذک اذ بعث رب السموات
ورب الارضین الینانینا من الفنا
نعرف ایاہ وامه الممت (بخاری ج ۱ ص ۲۴۷)
ہم چڑنے اور کھجور کی گٹھیاں پر سارے تھے اور
ہم اونٹوں کی ایشم اور بکریوں کے بالوں کا لباس
پہنتے تھے اور درختوں اور پتھروں کی عبادت
کیا کرتے تھے۔ اسی اثنا میں آسمانوں اور زمینوں
کے پروردگار نے ہم میں ہماری ہی جنس سے
ایک نبی مبعوث کیا جس کے باپ اور مال کو
ہم بخوبی پہچانتے ہیں۔

نوٹ:- درختوں اور پتھروں کی عبادت کا مطلب راقم کی کتاب "گلدستہ توحید" میں ملاحظہ کریں۔

تقدیر پر ایمان

جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال و احکام پر ایمان لانا ضروری
ہے اور جس طرح فرشتوں اور کتابوں پر ایمان لانا لازمی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ
کے سارے نبیوں پر ایمان لانا فرض ہے، اسی طرح حقیقہ تقدیر پر ایمان لانا بھی فرض
اور نہایت لازمی ہے کہ دنیا میں جو کچھ ظہیر و ستر، راحت و تکلیف، خوشی و غمی، موت و
حیات، فقر و غنی، شاہی و گدائی، عزت و ذلت، بلندی و پستی، ایمان و کفر،
بیماری و تندرستی، نبی و دہی، اصلاح و اخلاص، طاعت و عصیان وغیرہ وغیرہ جتنے
امور معرض وجود میں آتے ہیں، سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین و آسمان کی مخلوق سے
تقریباً پچاس ہزار سال پہلے ہی سے لوح محفوظ پر لکھے جا چکے ہیں۔

(مجموعہ ۲۲۵ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹)

تیراغنائی کی مشق کیا کرتے تھے۔ لڑائی میں عورتوں کا پیٹ چاک کر دیتے اور مقتولوں
کی ناک کاٹ دیتے اور دشمن کی کھوپڑی میں شراب پیتے اور دشمن کی عورتوں کو گھوڑے
کی دم سے باندھ کر گھوڑا دوڑا دیتے اور اس ظالمانہ طریقے سے ان کی جانیں ضائع
ہو جاتیں۔ دشمن کو قید کر کے آب و دانہ بند کر دیتے اور اس فعل کو وہ صبر
کہتے تھے۔ لڑائی کے موقع پر دشمن کو آگ میں جھونک دیتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو
وراثت کے جائزہ اور فطری حق سے محروم کر دیتے تھے لڑائی میں جب عورتیں
قبول آ جاتیں تو اگر صلح بھی ہو جاتی تب بھی ان کے ناموس بالکل برباد ہو چکے
ہوتے۔ خون کو جاجا کر اس کی قاشیں تراش تراش کر کھالیتے، مردہ جانوروں
کو کھا جاتے۔ چمڑے کو بھون کر کھا جاتے اور اس قسم کی بے شمار خرابیاں اور
بدیاں ان میں رائج تھیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی ر (المتوفی ۱۳۶۳ھ) نے سیرت النبی علیہ السلام
میں اس پر کافی بحث کی ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں مجاہدین اسلام جب کسریٰ کے مقابلے میں نکلے تو
کسریٰ کے ایک فوجی جرنیل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان مسلمانوں سے دریا فیت
کرے کہ ان میں سے ایک آدمی میرے ساتھ گفتگو کرے۔ حضرت معمرؓ بن شعبہ نے
فرمایا کہ پوچھ کیا پوچھتا ہے۔ اُس نے تحفہ کے لہجہ میں کہا کہ تم کیا ہو؟
فرمایا کہ۔

نحن فاس من العرب کتافی شقاء
شدید و بلاء و شدید نعم الیلد
ہم عرب کے لوگ ہیں جو انتہائی بد حالی اور
بے حد مصیبت میں مبتلا تھے۔ مجھ کو کی وجہ

احد ذہما فافقتا ما قبل اللہ منہ
حقاً یؤمن بالقدر مسلم (ج ۱ ص ۲۸)
اگر تقدیر کے منکروں کے پاس اُردو پانچواں بھی
سونا ہو تو وہ اس کو راہ خدا میں اخراج کر دیں
تو اللہ تعالیٰ ان سے اس کو قبول نہ کرے گا
تاؤتیکہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور امت مسلمہ کا اس پر مطلق فیصلہ
اور قطعی اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ تقدیر پر ایمان لازماً فرض اور نجات اخروی کے لیے لازمی
ہے اور منکرین حدیث اور ان کے اگرچہ طلوع اسلام کا یہ باطل اور حیا سے نظر پر کہ تقدیر کا مسئلہ
ایمان کے جوہریوں کا عقیدہ ہے اور مسلمانوں نے اُن سے یہ انہی کیا ہے، ایک سرسبز جھوٹ،
صریح بہتان اور خالص افتراء ہے۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ مسئلہ تقدیر بڑا پیچیدہ اور مشکل
مسئلہ ہے اور محض عقل ہی نہیں لیکن اس کے اشکال کی وجہ سے انکار کر دینا قریبے دینی
اور خالص الحاد ہے۔ اختصار کے ساتھ اس کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ خالق کائنات
نے اپنی وسعت معلومات کی بناء پر پہلے ہی سب کو دیکھ لیا ہے اور لوح محفوظ پر درج کر دیا
ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت ہماری دی ہوئی قدرت کے تحت اپنے کسب و اختیار سے
یہ اور یہ کرے گا اور اس کسب و اختیار میں اس کو مختار قرار دیا گیا ہے اور اسی پر
ثواب و عقاب اور رضا و ناراضگی مرتب ہوتی ہے۔ نہ یہ کہ بالکل مجبور محض کو مکلف
بنا کر صرف کٹھنٹی قرار دے کر سزا میں دھکیل دیا گیا ہے۔ بقتل شخصے ۷

در میان فقر و دیا تختہ بندم کہ وہ
باز میگوئی کہ دامن ترکمن بشیار بخش

اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:-
وَلَخَلَقْتُ كُلَّ شَيْءٍ فَتَدْرِي اَنَّهُ لَفَتْقَدِيرٌ
(الشفا - الفرقان - ۱)
اور پیدا کی اس نے ہر چیز اور ہر چیز کو اس نے
خاص انداز اور تقدیر سے بنایا۔
اس سے ثابت اور معلوم ہوا کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انداز اور تقدیر
سے پیدا کیا ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں جب ایک اعرابی کی صورت میں لوگوں
کو ان کا دین سکھانے کی خاطر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو
انہوں نے ایک سوال یہ بھی کیا کہ مالا یمان؟ حضرت تبلیہے کہ ایمان کیا چیز ہے؟
اور اس کے حدود کیا ہیں؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی تشریح اور تفصیل
بیان کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ:-

وَتَوْمَنُ بِالْعَدَدِ كَلَّةً (مسلم ج ۱ ص ۲۹)
اور تم ساری تقدیر پر ایمان لاؤ۔
اس سے واضح ہوا کہ تقدیر کو تسلیم کرنا ایمان کی جزو اور اس کی بنیاد ہے اور بغیر
اس کے تسلیم کے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا مشہور تابعی حضرت یحییٰ بن عمر رضی اللہ عنہما
فرماتے ہیں کہ بصرہ میں جب معبد مجوسی نے یہ فتنہ کھڑا کیا کہ تقدیر کوئی شے
نہیں تو ہم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں
نے ارشاد فرمایا کہ:-

اذا اُلقيت اولئك فخذهم فاني بريء
منهم وانهم يبرء مني والذی یخلف
به عبد اللہ بن عمر او ان لاحد منهم مثل
جب تو ان لوگوں سے ملے تو ان کو یہ بتا دینا کہ
بلاشبہ میں ان سے بیزار ہوں اور وہ مجھ سے
بری ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قسم اٹھا کر کہتے ہیں کہ

آخرت پر ایمان

جیسے گزشتہ بالا عقائد پر ایمان لانا نہایت ہی ضروری اور مدبرِ نجات ہے اسی طرح بعثت بعد الموت پر ایمان لانا بھی از بس ضروری ہے کہ مرنے کے بعد قیامت اور برزخ کی تمام وہ کیفیات برحق ہیں جن کا ذکر قرآن کریم اور حدیث شریف میں آیا ہے اور آج تک امت مسلمہ ان کا اذعان و یقین کسفی جلی آئی ہے اسی طرح حشر اجساد، پل صراط، میدانِ محشر، جنت اور دوزخ کے تمام عقائد کو تسلیم کرنا مومن کے ایمان میں داخل ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس شفاعت و میزان کا مسئلہ اور عقیقہ و بھی نفوسِ قطعہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے جن میں سے کسی ایک ثابت شدہ حقیقت کا انکار اور تاویل بجائے خود کفر ہے ان عقائد و مسائل کی بحث انشاء اللہ العزیز حصہ دوم میں آئے گی۔ وَصَلَّى اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ :-

اَحْقَر النَّاسِ
ابوالزہاد محمد رفیع از خطیب جامع گلگٹ